# سپاہی کے خطوط

صوبیدار انوار احمد

مجلسِ اردو
کتاب خانہ حفیظ، لاہور

صوبیدار انوار احمد صاحب نے فوجی سپاھی کے خطوط شائع کر کے بہت بڑی ملی خدمت انجام دی ھے، ان خطوط میں آپ نے نہایت مناسب طریقے پر پاکستانی ملت کے دلوں میں خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش اور اسلام کو سرچشمۂ حیات بنانے کی تبلیغ کی ھے۔ ان خطوط کا خلوص مصنف کے حسن نیت کا شاھد ھے۔ میرے خیال میں ھر پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ھوگا۔

(ڈاکٹر) محمد باقر

نام و پتہ :- ابراہیم جان
N۲۶/۱۷ روڈ - کراچی

مقامی بن کے آیا ہے نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزم گہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

# فوجی
# سپاہی کے خطوط
## بیوی کے نام

صوبیدار انوار احمد



مجلس اُردو کتاب خانۂ حفیظ اُردو بازار، لاہور

# انتساب

اسلامی فوج کے ہر سپاہی کے نام



طباعت نقوش پریس لاہور
اہتمام علاء الدّین مظہر
اشاعت ۴۴/جی ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر تین طرح کی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ جمادات جیسے مٹی پتھر ہوا۔ پانی وغیرہ۔ نباتات جیسے درخت۔ گھاس وغیرہ اور حیوانات جیسے چرند۔ پرند۔ درندہ۔ جانور۔ انسان وغیرہ۔

حیوانوں میں انسان کو عقل عطا فرما کر دوسرے حیوانوں سے ممتاز بنایا۔ جمادات و نباتات کے ذمے بھی کچھ فرائض عائد ہیں مگر بخوف طوالت ان کا ذکر نہیں کرتا۔ قرآن مبین خود بیان فرما رہا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ہر چیز اپنے رب اپنے خالق کی تسبیح میں مصروف ہے۔ حیوانات کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے۔ کہ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ یہ سب بھی جماعتیں ہیں تمہاری ہی طرح کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح جانتے ہیں لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے انسان خود اپنی ماں کے پیٹ میں رہ چکا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد سال بھر کی زندگی ماں کی گود میں کس طرح گزرتی ہے۔ اس دور میں وہ کیوں ہنستا ہے کیوں ڈرتا ہے۔ کیوں غصہ ہوتا کیوں ضد کرتا ہے

کیا اس کو پوری طرح کوئی سمجھ لیتا ہے؟ خود اس زمانے میں وہ کیا کیا کرتا تھا اور کیا کیا سمجھ کر کرتا تھا کیا کسی کو یاد ہے؟ تو جب انسانوں کو خود اپنی سرگزشت یاد نہیں اور ایسی ہی سرگزشت جب دوسرے بچوں پر گزرتی ہے تو اس کو پوری طرح نہیں سمجھتا تو غیر جنس حیوانات، نباتات و جمادات پر کیا کیا گزرتی ہے۔ اور وہ اپنے فرائض کس کس طرح انجام دیتے ہیں۔ اگر اس کو نہیں سمجھ سکتا تو تعجب کی کیا بات ہے۔

ہر انسان اتنا ضرور سمجھ سکتا ہے کہ اپنے ذاتی حقوق کی نگہداشت یعنی اپنی ذات کو آرام پہنچانا۔ خوش رہنا۔ خوشی کے سامان ذرائع کو حاصل کرنا۔ تکلیف سے بچنا خطروں سے بھاگنا۔ اطمینان

وسکون کی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ سب باتیں حیوانی فرائض ہیں جن کو ہر حیوان اپنی بساط کے مطابق ادا کرتا ہے۔ انسان افضل ترین حیوان ہے اس لیے ان فرائض کو دوسرے حیوانوں سے بہتر طریقے سے ادا کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ حیوانی فرائض ہیں جن کا تعلق اپنی ذات کے علاوہ اپنے جوڑے اور اپنے بال بچوں سے ہے جیسے رہنے سہنے کا ایک ٹھکانہ بنانا۔ اپنے جوڑے کے ساتھ مل جل کر رہنا۔ بال بچوں کی پرورش کرنا ان کے آرام و آسائش کا انتظام کرنا۔ پہلے فرائض کو بھی انسان بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے اور اس کا نام تہذیب الاخلاق ہے اور وہ دوسرے فرائض کو بھی حیوانوں سے زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے اور اس کا نام تدبیر المنزل ہے۔ انسانوں کے لیے تہذیب الاخلاق میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنی ذات میں اچھی صفتیں پیدا کرے اسی طرح تدبیر المنزل میں انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بال بچوں کی ایسی تربیت کرے کہ ان میں اچھے اخلاق اور بہتر اوصاف پیدا ہوں اور وہ بُرے خصائل سے محفوظ رہیں۔

تہذیب الاخلاق و تدبیر المنزل کے علاوہ اور بھی دو حیوانی فریضے ہیں جن کو ہر حیوان بساط بھر اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق بوقت ضرورت انجام دیا کرتا ہے۔ انسان سب حیوانوں سے افضل ہے اس لیے ان کو بھی پہلے دونوں فرائض کی طرح بہتر طریقے سے انجام دیا کرتا ہے۔ اور وہ حُسنِ معاشرت ہے یعنی اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بہتر طریقے پر مل جل کر رہنا سہنا اور سیاست ہے یعنی دوسروں سے صلح و جنگ و نظامِ مملکت اور حاکم و محکوم کے تعلقات وغیرہ یہ سب دراصل حیوانی فرائض ہیں جن کو ہر حیوان اپنی فطری سوجھ بوجھ کے ماتحت اپنی صلاحیت کے مطابق انجام دیتا ہے۔ اور انسان عقل و نطق کی بدولت بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے مگر عموماً خود غرضیوں ہی کے ماتحت حیوانی حیثیت سے بھی انجام دیا کرتا ہے۔ اسلام نے انسانوں کو یہ بتایا کہ تم حیوانی فرائض کو بھی انسان بن کر کس طرح انجام دے سکتے ہو۔

یہ کتاب جو چند خطوط کا مجموعہ ہے ایک شوہر اپنی بیوی کے نام خطوط لکھ کر اس کو تدبیر المنزل

کی تعلیم دے رہا ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے بے حد مفید اور اپنے عنوان و اسلوب کے اعتبار سے بالکل انوکھی کتاب ہے۔

اس کے مصنف ایک مخلص مسلمان جناب صوبیدار انوار احمد صاحب (اے۔ ایم۔ سی) پائلٹ ہیں۔ جن کے بیوی بچے اور دوسرے اعزہ بمقام پائل (ریاست پٹیالہ) دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مصنف ممدوح نے اپنی مرحومہ بیوی اور معصوم بچوں کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ان خطوط میں ہیرو انہی مرحومین کو بنایا ہے اور ان کو زندہ قرار دے کر انہی کے متعلق خطوط تیار کیے ہیں۔ مصنف ایک فوجی سپاہی ہیں۔ لیکن ادبی ذوق کسی قدر ضرور رکھتے ہیں۔ مگر زبان و ادب سے تو تعلق رکھنے کا ان کو کبھی موقعہ نہ ملا۔ اس لیے ان خطوط میں زبان و محاورات کی چاشنی جو اہلِ ادب کی تحریروں میں ہوتی ہے تلاش کرنا اور ان باتوں کے نہ ہونے سے ان مکاتیب کو کم نظری سے دیکھنا انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ ان خطوط کو ان کی روح اور مقصدِ تحریر کو پیشِ نظر رکھ کر دیکھنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ خطوط ایک بیش قیمت تحفہ ہیں ہر اس شخص کے لیے جو اپنے گھر میں بیوی بچے رکھتا ہے اور ایک بہترین درس ہے تدبیر المنزل اور تربیت اطفال و تعلیم اہل و عیال کا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو اس تصنیف پر اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کی اس تصنیف کو ہر خاص و عام میں مقبول فرمائے اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ ان مکاتیب کو پڑھیں اور اس کی روشنی میں تدبیر المنزل کا فریضہ حیوان بن نہیں بلکہ قرآن و سنت کے مطابق انسان بن کر انجام دیں۔ آمین ثم آمین۔

کرنل نعمت اللہ اسلام

(مغربی پاکستان)

# یہ خطوط

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ صوبیدار انور کے خطوط کا یہ مجموعہ انوار سہیلی کے پند و نصائح کا گنجینہ نہیں بلکہ اس میں انھوں نے عام گھریلو زندگی کو آسودہ بنانے میں قابل قدر راہنمائی کی ہے۔ بالخصوص بچوں کی تعلیم و تربیت اور انھیں اچھا شہری اور مفید رکن مملکت بنانے کے ضمن میں والدین پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا کماحقہٗ احاطہ کیا ہے۔ مصنف نے سادہ انداز میں بڑی دلنشیں باتیں کی ہیں جو پاکستان کے تمام باشعور طبقوں کیلئے مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ خطوط جوں جوں آگے بڑھتے ہیں اچھے خاصے ناول کا روپ دھار کر واقعات کا تسلسل قاری کو اپنے ساتھ ساتھ لیے جاتا ہے۔ خطوط کی صنف میں یہ تجربہ اغلباً اردو ادب میں آپ اپنی مثال ہے۔

عزیز ملک

# التماس

میں اپنی ملی فوج میں ایک ادنیٰ سپاہی ہوں - اور سپاہی کو علم و ادب اور سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں - چنانچہ یہ کتاب جو چند خطوط پر مشتمل ہے میں نے ایک مبتدی کی حیثیت سے لکھی ہے -

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ کی خرابیاں کوئی مصلح ہی دور کر سکتا ہے لیکن اجتماعی اصلاح سے قبل انفرادی اصلاح زیادہ آسان اور مؤثر ہو سکتی ہے یعنی ہم میں سے ہر ایک فرد اپنی ذات اور ماحول کے عیوب دور کرنے کی کوشش کرے تو پورے معاشرہ کی اصلاح ناممکن نہیں - اسی عقیدہ کے تحت میں نے ایک عام زندگی کے معمولی واردات کی تفصیل اور ان کے حسن و قبح کو مقدور بھر اُجاگر کیا ہے ہمارے تمدن اور رسم و رواج میں بیشتر ایسی چیزیں ہیں جنہیں غور سے دیکھا جائے تو پسندیدہ نظر نہ آئیں اور نہ انھیں ترک کرنے کو جی چاہے -

ان خطوط کو شائع کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ ہم اپنے اپنے ماحول کا تجزیہ کریں اور اس کی برائیوں کو حقیقت پسندانہ نظروں سے دیکھیں اور اپنے اور اپنے بچوں کے لیے ایک صحت مند ماحول پیدا کریں -

میں آخر میں اپنے گرامی قدر افران مشرقی پاکستان و مغربی پاکستان کا تہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اپنے گرانقدر مشوروں سے میری اعانت فرمائی -

صوبیدار انوار احمد

اے ایم سی

# پاکستان

"مندرجہ ذیل اشعار میں مصنف نے اپنی پر درد کہانی منظوم کی ہے"

ہنستا ہوا وطن سے اک قافلہ چلا ہے
دل میں نئے وطن کی موجوں سے کھیلتا ہے

آباد کر رہے ہیں دنیائے آرزو کو
معراج مل رہی ہے جذبات و جستجو کو

رنگین ہیں فضائیں اور ریل چل رہی ہے
حسرت مہاجروں کے دل میں مچل رہی ہے

بچوں میں ہیں صابو۔ ساجد ہیں قافلے کی زینت
ہیں لڑکیوں میں نصرت عشرت بھی اور شفقت

ماں رہنما حمیدہ یوں وقت کاٹتی ہے
گزری ہوئی کہانی بچوں سے کہہ رہی ہے

ہوتا سفر گراں ہے لمحات پر سکوں میں
بچے بہل رہے ہیں قصوں کے ہاں و ہوں میں

ہے انتظارِ منزل اک لطف بخودی ہے
اور چشم شوقِ منزل رستے کو تک رہی ہے

بچے یہ کہہ رہے ہیں ماں جاؤں اس پہ قرباں
جس نے دلا دیا ہے ہم کو حقوقِ انساں

اتنے میں گاڑی ٹھہری کافر کی سرزمیں پر
اک انقلاب آیا ایمان اور دین پر

سفاک قتل کرنے ڈبوں میں گھس پڑے ہیں
بے دردیوں سے ظالم سب وار کر رہے ہیں

ہے قتل عام برپا بچوں و عورتوں کا
کس طرح سے بیاں ہوں یہ خونچکاں نظارا

آواز ایک آئی بابا بچاؤ آ کر تو
سب قتل ہو رہے ہیں کوئی نہیں ہے یاور

میں بے بسی سے بولا پیارے مہاجرو تم
ہو خیر پاکستان کی آواز بس یہ دو تم

بے ہوش ہو گیا میں اتنا ہی کہنے پایا تو
اللہ جانے منزل پر کس طرح سے آیا

انوار یہ سہارا اب لے کے جی رہا ہوں
شانِ وطن میں اپنی قربانیوں کا ہے خوں

اک لطف پا رہا ہوں اس یاد و آگہی میں
ہنستے ہوئے ہیں چہرے کرنوں کی روشنی میں

صوبیدار انوار احمد

خط نمبر ا

میرے دل کی محرم حمیدہ

یہاں خیریت ہے تمہاری خیریت کا طالب ہوں

تُم میکے کیا گیئں۔ چھاؤنی ہی ڈال بیٹھیں۔ شاید تُم نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ میاں میدانِ کارزار میں کارہائے نُمایاں انجام دینے گئے ہیں جہاں بیوی بچوں کا جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ آخر کیوں نہ ہو۔ ایک سپاہی کی بیوی ہو اور خُوب جانتی ہو کہ میدانِ جنگ میں گولیاں چلتی ہیں۔ بم پھٹتے ہیں ہر وقت دُشمن کا خطرہ رہتا ہے۔ لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ ہم میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ زمانۂ امن کی طرح اپنے ہیڈ کوارٹر

میں بیٹھے ہیں۔ بہت مشکل سے فیملی کوارٹر حاصل کیا ہے۔ پھر ایک ہفتہ خالی کنستر، سگرٹ کے ڈبے اور بالٹی ڈول وغیرہ مہیا کرنے میں لگ گیا۔ تاکہ ان میں نمک۔ مرچ اور پانی رکھا جا سکے۔ خدا خدا کر کے یہ تمام چیزیں فراہم ہوئیں۔ بارے تمہارا خط آیا کئی مرتبہ پڑھا۔ تم نے لکھا تھا کہ والد صاحب کراچی گئے ہیں۔ بھائی جان کا امتحان سر پر آیا ہے۔ تاہم وہ مجھے گاڑی پر سوار کرا دینگے۔ اور آپ اسٹیشن پر آ کر مجھے گاڑی سے اتار لیں۔ لہٰذا تاریخ مقرّرہ پر میں نے حوالدار میجر سے آؤٹ پاس کے لئے رپورٹ کی بصد مشکل گاڑی کے وقت سے صرف پون گھنٹہ پہلے مجھے آؤٹ پاس مل گیا۔ اور میں ہانپتا کانپتا اسٹیشن پر پہنچا۔ ہر لمحہ اگر کوئی خیال تھا تو محض یہ کہ گاڑی کا وقت تنگ ہے۔ کہیں تم مجھے اسٹیشن پر موجود نہ پا کر پریشان نہ ہو جاؤ۔ بار بار قلی سے پوچھا بھیا گاڑی کب آئے گی؟

بہر حال چند منٹ کے انتظار کے بعد گاڑی آئی۔ میری آنکھیں میری ٹانگوں کے ساتھ دوڑ لگا رہی تھیں۔ کہ تم

کس ڈبے میں سوار ہو۔ پھر تمہیں ایک ڈبے میں تلاش کرنے کے بعد گاڑی سے سامان اُتار انگ گئے۔ نہ معلوم گھر سے کیا کچھ اٹھا لائی تھیں۔ باجرے کا آٹا، کہیں چنے اور مونگ کی دال لحاف کمبل اور کپڑوں کے ٹرنک۔ معلوم ہوتا تھا کہ گھر کا گھر ہی اُٹھا لائی ہو اور تمہیں یاد ہوگا کہ میری کیا گت بنی تھی۔ کس مصیبت سے سامان کو پلیٹ فارم سے اُٹھا کر باہر لایا اور پھر تانگہ لے کر کوارٹر تک پہنچے۔ تانگے سے سامان اُتارا تو میں پسینے سے شرابور۔ وردی خراب۔ لیکن یہ سب ایک خیالی کے تحت ہیچ تھا کہ ——— تم آگئیں۔ وُہ کوارٹر جو تمہارے آنے سے پیشتر سنسان سا لگتا تھا خوشیوں کی آماجگاہ بن گیا۔

حمیدہ! سپاہی کی بساط۔ سپاہی کی خوشی۔ سپاہی کے خیالات اور سپاہی کا کوارٹر۔ یہ سب کچھ ایک سپاہی ہی سمجھ سکتا ہے۔ میں ان دِنوں خوش تھا۔ نہ سحر کی خبر ہوتی تھی اور نہ رات کی فکر۔ تمہاری خداداد صلاحیتوں کے طفیل گھر کی ہر چیز قرینے سے آراستہ رہتی۔ تم میری وردی کی صفائی،

موزوں کی مرمت اور مچھر دانی کا ہر وقت خیال رکھتیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے تمہیں خاص ٹریننگ دی تھی۔ کہ سپاہی کو صبح سویرے کیسے پریڈ کے لئے تیار ہو کر جانا ہوتا ہے اس کے جوتوں کی چمک۔ وردی کی صفائی اور ٹرن آؤٹ کے متعلق کیا کیا پوچھ گچھ ہوتی ہے۔ اور تم نے ہمیشہ ان باتوں کا خیال رکھا۔ اصل معنوں میں تم نے میری سپاہیانہ صلاحیتوں کو اور اُجاگر کر دیا۔ آہ لیکن کہ یہ خوشگوار ماحول زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ ابھی مشکل سے پندرہ ۱۵ ہی دن ہوئے تھے ایک روز میں ڈیوٹی سے واپس آیا۔ وردی اُتاری اور کھانا کھانے بیٹھا۔ سالن میں نمک زیادہ تھا۔ آخر تم بھی تو انسان ہو۔ غلطی سے نمک زیادہ پڑ گیا۔ کوئی خاص بات نہ تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں میں کھانے سے ہاتھ کھینچ کر بڑبڑانے لگا۔ نمک زیادہ ہے۔ مرتے بھرتے ڈیوٹی سے آؤ اور کھانا بھی اچھا نصیب نہ ہو لعنت ہے۔ اس زندگی پر۔ بس پھر کیا تھا جیسے بارود میں آگ ہی تو لگ گئی۔ تم نے کہا:۔

مجھے کھانا پکانا نہیں آتا کسی اور کو بُلا لو۔ میری جُوتی کو کیا غرض۔ گھر کی صفائی۔ وردی کی صفائی۔ بوٹوں کی پالش۔ کھانا پکانا اور وقت کی پابندی۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود میاں کا دماغ آسمان پر ہے۔ ابھی آبا کو لکھتی ہُوں۔ بھیّا امتحان دے چکے ہونگے وہ آکر لے جائیں گے۔ غم و غصہ کی رَو میں بہہ کر نہ جانے تم نے انہیں کیا کچھ لکھ دیا کہ وہ بھلے آدمی بغیر سوچے سمجھے آ گئے۔ میں نے تمہارے بھیّا کی خُوب آؤ بھگت کی پلچر لے گیا۔ اور وُہ خوشی خوشی تین دِن رہے۔ لیکن تمہیں ان کے ساتھ جانے کی لگ گئی تھی۔ میں نے ہر چند معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی لیکن تم نے مان کر نہ دیا اور چلی گئیں۔ آج دس پندرہ دِن نہیں پُورے تین ماہ ہونے آئے تم نہیں آئیں۔

بزرگوں کو مودبانہ سلام

تمہارا!

انوار ——

خط نمبر ۲

میرے دل کی محرم حمیدہ

تمہارا خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ تمہاری علالت اور بچوں کی بیماری کا حال پڑھ کر بے حد تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو صحت یاب کرے۔ لیکن یہ کام صرف دعا سے ہی نہ ہوگا۔ اس کے لئے ہمیں دماغ سے بھی کچھ کام لینا ہے۔ ہمارے قصبے میں میونسپلٹی کا ایک چھوٹا سا ہسپتال ہے۔ جہاں ایک ڈاکٹر صاحب مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے متعین ہیں اور دوائی مفت ملتی ہے۔ آپ کو جلد ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اب رہا تمہارا کہنا کہ ہسپتال میں دوائی کی جگہ پانی ملتا ہے۔ اور

مریضوں کو ڈاکٹر کی بجائے اس کا کمپونڈر دیکھتا ہے۔ کمپونڈر کی بدسلوکی ناقابلِ برداشت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی جب تک مٹھی گرم نہ ہو بات ہی نہیں کرتے۔ شاید تمہارا کہنا کسی حد تک ٹھیک ہو۔ لیکن میرا خیال ہے تم نے خود حالات پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا کہ اس صورتِ حال کا ذمہ دار کون ہے۔ صرف ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ گورنمنٹ اندھی ہے۔ اس کے مشیر نااہل ہیں۔ ذرا میرے لکھے ہوئے مضمون کو ٹھنڈے دل سے پڑھنا اور پھر سوچنا کہ کس حد تک ہم لوگ موردِ الزام ہیں۔ ہمارے قصبے کی آبادی کوئی چار پانچ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اللہ کے فضل سے قصبہ بہت پرانا ہے۔ گلیاں تنگ۔ نالیاں شکستہ مچھروں کی بھرمار اوروں کا ذکر کیا اپنے ہی گھر کا حال یہ ہے کہ کوڑا کرکٹ اور گوبر کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ بارہا کہنے پر بھی نہ تم نے اور نہ کسی اور اہلِ محلہ نے کبھی غور کیا کہ مکھی اور مچھر جو بیماری کے موجب ہیں کیوں ہمارے گھر میں زیادہ پرورش پاتے ہیں۔

اسی غلاظت اور گندگی کی وجہ سے ہمارے گاؤں میں آئے دن بیماری کا زور رہتا ہے۔ کوئی ہیضے میں مُبتلا ہے۔ کسی کو ملیریا بُخار ہے۔ اور کوئی پیچش سے پریشان ہے جس کا نتیجہ ہسپتال کا سارا احاطہ کھچا کھچ بھرا رہتا ہے۔ آدمیوں کی وُہ ریل پیل رہتی ہے کہ الامان الحفیظ ایک دوسرے پر گرا پڑتا ہے بچے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ چھوٹا سا ہسپتال ایک ڈاکٹر اور ایک کمپونڈر۔ غریب کس کس کی سنیں۔ ایک کہتا ہے واہ ڈاکٹر صاحب ایک گھنٹہ ہو گیا ہے اور آپ دیکھتے ہی نہیں یہ بیماروں کے ساتھ اچھا سلوک ہے؛ دوسرا کہتا ہے کہ بھئی یہاں تو پیسہ چلتا ہے۔ ورنہ دوائی کی جگہ پانی ہی ملے گا؛ تیسرا کہتا ہے۔ خُدا ڈاکٹر کو غارت کرے۔ دینی تھی دردِ شکم کی دوائی اور دے دیا پھوڑے کا مرہم۔ جتنے مُنہ اتنی باتیں اتنا ہجُوم اور شور اس قدر کہ شائد روزِ حشر میں بھی اتنا شور نہ ہو ڈاکٹر بیچارہ تنگ آ کر اگر بار بار آنے کو کہتا ہے تو بدنام قصُور اپنا شکایت دُوسروں کی!

میری شریک حیات! یہ بنیادی غلطی ہے لیکن عوام اس پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ شاید اُن کی نگاہوں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ لیکن تم غور کرو اور میرے جائزہ مشورہ کو عملی جامہ پہناؤ تو یقیناً مشعلِ راہ ثابت ہو۔ گندگی، غلاظت دُور کر کے گھر کی صفائی پر زور دینا۔ ڈاکٹر کے پاس بچوں کو لے جانا۔ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق دوائی کا استعمال کرنا۔ یہ سب عملی طور پر کرنے کے بعد اگر بچوں کی بیماری نہ جائے تو پھر تحریر کرنا۔ میں نے تمہاری سہولت کے لئے ایک چٹھی ڈاکٹر صاحب کو لکھوا دی ہے۔ یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب پُوری توجّہ کریں گے۔

حمیدہ! تم سپاہی کی بیوی ہو۔ سپاہی کبھی نہیں گھبراتا۔ شاید بگڑ کر کہدو۔ کہ کیا سپاہی سپاہی کی رَٹ لگا رکھی ہے۔ نہ معلوم سپاہی کیا ہے۔ یہی ۲۵ روپے تنخواہ پر مارے مارے پھرتے ہیں۔ تم سے تو ہمارے گاؤں کا پٹواری ہی اچھا ہے۔ جس کی تنخواہ تیس روپے اور خرچ پانچ سو روپے ماہوار ہے۔ اچھا پہنتا ہے اور اچھا کھاتا ہے۔ تھانیدار، تحصیلدار سب ہی عزت سے دیکھتے

ہیں۔ انشاء اللہ میں کبھی لفظ پیاہی کی وضاحت کروں گا۔ تو تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ کہ ایک مسلم پیاہی ملک اور قوم کی کس عظیم ہستی کا نام ہے۔

بچوں کو پیار اور بزرگوں کو سلام

تمہارا!

انوار

خط نمبر ۳

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم

تمہارا خط آیا۔ بچوں کی صحت کے متعلق پڑھ کر ایک گونہ تسلی ہوئی دعا ہے کہ ہر بنی نوع انسان کو صفائی کا شوق پیدا ہو۔ تاکہ مخلوقِ خدا آرام و آسائش کی زندگی گزارے۔ گورنمنٹ کی مشینری انسان کی بہبود کے لئے کام کرے۔ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم میرے خط میں بار بار لفظ سپاہی پڑھ کر طیش میں آجاؤ گی۔ اس میں تمہارا کیا قصور؟ یہ میرا ہی قصور ہے کہ میں نے کبھی بھولے سے بھی تمہیں سپاہی کی اہمیت سے باخبر نہ کیا اور ہمیشہ سپاہی سپاہی کی رٹ لگاتا رہا۔ شاید سپاہی سے

تمہاری مُراد وُہ لوگ ہیں جو فوج میں بھرتی تو ہو جاتے ہیں۔ لیکن سپہ گری کے کردار سے ناواقف رہتے ہیں

حمیدہ! تمہیں یاد ہو گا۔ ایک روز ہم دونوں سیر کے لئے سڑک پر جا رہے تھے۔ پیچھے سے چند سپاہی آئے اور آوازے کسنے شروع کر دیئے۔ ایک نے کہا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دوسرا بولا جوڑا تو اچھا ہے۔ تیسرا بولا جوان بھی خوب ہیں۔ میں نے سب کچھ سُنا لیکن خاموش رہا۔ میں موقعہ کی نزاکت کو سمجھتا تھا۔ تمہیں غصہ تو آیا لیکن میں نے تمہیں بھی منع کر دیا کہ خاموش رہو۔ تھوڑی دُور چلنے پر ملٹری پولیس کا حوالدار مل گیا۔ میں نے ان کی سب حرکات اس کے گوش گذار کر دیں۔ حوالدار نے اُن جوانوں سے پوچھا۔ تمہارا آوٹ پاس کہاں ہے؟ تمہارا ٹرن آوٹ اچھا نہیں ہے۔ اپنی اپنی پے بک نکالو۔ جس پر وہ سب گھبرا گئے اور منت وسماجت کرنے لگے لیکن حوالدار نے ایک نہ مانی اور ان کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر کے ذریعہ اُن کے آفیسر کمانڈنگ کو بھیج دی۔ جس پر سب کو سات سات دن کی کوارٹر گارڈ ہو گئی۔

سات دن کی تنخواہ ـــــ گئی اور فیٹنگ علیحدہ کرنی پڑی۔ اور اپنے دوستوں کی نظروں میں ذلیل بھی ہوئے۔ یہ اُن سپاہیوں کی سرگذشت ہے جن کے بارے میں تم جو کچھ بھی کہو ٹھیک ہے۔ باقی رہا لفظِ سپاہی تو اس کا اطلاق ایسے فرد پر ہوتا ہے جو فنونِ سپہ گری سے واقف ہو۔ سپاہ گری کا فن محض ہتھیاروں پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ اُٹھتے بیٹھتے بات چیت کرنے میں انسانیت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ بڑوں کا کس طرح ادب اور چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیئے اور دوران ملازمت ملک اور قوم کی کس طرح سے خدمت کی جاتی ہے۔ اور گاؤں میں جاکر گاؤں کی صفائی۔ زمینوں کی کاشت اور کاروبار کو فروغ دینے کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کرنے ہوتے ہیں۔

حمیدہ! سپاہی ہونا بڑی شے ہے۔ دنیا کی تاریخ ڈنکے کی چوٹ اس کی شہادت دے رہی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کہ ایک آدمی مجاہد اور سچا سپاہی اسی وقت بن سکتا ہے۔ جب اپنی انسانیت پر ناز کرے اپنی انسانی قوت کا احساس رکھے کیونکہ

انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ تعظیم پر مجبور ہونا پڑا۔ انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے خدا نے فرشتوں سے زیادہ اہمیت و رتبہ بخشا صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اللہ نے اپنی امانت سونپ دی ہے وہ امانت جسے زمین آسمان۔ دریا۔ پہاڑ بھی برداشت نہ کر سکے! جب قدرت نے انسان کو یہ درجہ عطا کیا۔ انسان پر اعتماد کیا۔ تو انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس اعزاز و فخر کا اہل ثابت کرے۔ اور یہ صرف اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان سچا سپاہی بن جائے۔ اللہ کی نمائندگی کرے اور اپنی زندگی، حُسن اور جوانی۔ قوت۔ دولت۔ جذبات و خواہشات کو احکام خُداوندی کے تابع کر دے۔ خُدا نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اُسے پورا کرے۔ امن و سلامتی قائم کرے۔ خُداوند قدوس اسلام پر اسی لیے راضی ہوا کہ یہی وہ اکیلا مذہب ہے جس کے پیرو مسلمانوں نے خُدائی احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ خُدا نے انسان کو اپنا نائب قرار دیا ہے۔ اس لیے ہر انسان کا فرض ہے کہ اس نیابت کا صحیح اہل ثابت ہو۔ اپنے اندر بلند صفات پیدا کرے اور مومن مجاہد یعنی اللہ کا فرماں بردار اور سچا سپاہی بن جائے۔ اپنے پڑوسی

امان اللہ خان کو آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ وہ بھی فوج میں ۳۵ روپے ماہوار پانے والے سپاہی ہی تو ہیں۔ ہماری لائن میں اپنے حسن سلوک کی وجہ سے کس قدر مقبول اور ہر دلعزیز ہیں۔ دفتر میں لانس نائک سے لے کر آفیسر کمانڈنگ تک اُن کی عزت کرتے ہیں۔ اور اُن کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ممکن ہے وقت آنے پر وہ کہیں سے کہیں پہنچ جائیں ہو سکتا ہے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناپر اور سپاہیانہ زندگی کی بدولت ڈائرکٹ کمیشن لیکر لفٹننٹ ہو جائیں۔ پڑھائی میں ہٹ پٹ چلنے پھرنے میں پھرتی، بات چیت کرتے ہیں اس قدر سلیقہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ گھر ہی سے گریجویٹ ہو کر آئے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ گھر سے غریب صرف چھٹے درجے تک تعلیم پاکر بھرتی ہوئے ہیں یہ سب کچھ ان کے والدین کی تربیت اور سپاہیانہ زندگی کا شوق ہے جس کی بدولت وہ ہر خاص و عام میں مقبول ہیں۔ گھر میں۔ گلی میں۔ قصبے میں ان کے دم سے کتنی رونق ہے۔ اگر زندگی رہی تو دیکھ لینا کہ جب وہ کرنل ہوئے۔ تو بھی یہ کہہ کر فخر محسوس کریں گے کہ انسان صحیح معنوں میں سپاہی ہو جائے تو دُنیا اس کی ہو جاتی ہے۔ میں نے

یہ سب کچھ صرف سپاہی ہی بن کر حاصل کیا ہے۔ اللہ کرے اس مُلک کا ہر فرد سپاہی ہو۔ حمیدہ شاید اَب تو تُمہارے دِل میں بھی خواہش پیدا ہو گئی ہوگی۔ کہ میں بھی اپنے ننھے صاآبو کو سپاہی ہی بناؤں گی۔ بچپن ہی سے محنت کرنے۔ سچ بولنے، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے پیار اور محبّت کا جذبہ۔ اپنی ڈیوٹی اور ذمہ داری کا احساس اور ایمانداری کی صحیح رُوح اُس میں بھر دوں گی تاکہ بڑا ہو کر اچھا سپاہی ثابت ہو سکے اور ملک و قوم کی خدمت کر کے اپنا نام روشن کر سکے۔ آمین ثم آمین۔ اللہ یہ خیالات تمام مسلمان خواتین کے دلوں میں پیدا کرے۔ تاکہ اللہ اور رسُول کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔ اچھا حمیدہ خُدا حافظ!

بچوں کو پیار بزرگوں کو سلام

تمہارا

انوار

خط نمبر ۴

پیاری حمیدہ —

السلام علیکم

تمہارا خط ملا۔ میرے پچھلے خط کا مضمون پسند آیا۔ جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حمیدہ دراصل تم نے انسانیت ہی کی خدمت نہیں کی، بلکہ منشاء ایزدی کی بھی تکمیل کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تمہیں اجر دے۔ اور تمہیں عالی حوصلگی اور پاکیزگی عطا کرے بنی نوع انسان کی بہبود کا راز عورت کی بلند خیالی پر مبنی ہے۔ جو عورتیں اچھی بیوی نہیں بن سکتیں وہ اچھی ماں بھی نہیں بن سکتیں۔ تم نے میرے خیالات و تصورات کو اچھی طرح پرکھا اور اپنے اصلی مقام کو پہچان کر ایک قابل ترین بیوی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اب خدا کرے کہ اچھی ماں بھی بن سکو۔

اولاد کو سپاہیانہ تعلیم سے آراستہ کر کے صحیح معنوں میں ملک اور قوم کی
کی خدمت اور اللہ و رسول کی اطاعت کر کے دنیا و آخرت میں سرخروئی
حاصل کرو۔ تم نے سوال کیا ہے کہ سپاہی کی زندگی کا اللہ و رسول کی
خوشنودی سے کیا تعلق۔ اس اہم مسئلہ پر میں اپنے خیالات پیش
کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم ان سے اتفاق کرو گی۔ حمیدہ! دنیا میں
سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے۔ جس کو وحدانیت پر
مکمل یقین ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ نے بنی نوع
انسان کی تخلیق کا مسئلہ اس کی بہبود کا راز اپنے حبیب محمد رسول اللہ
صلعم کے ذریعہ۔ اور وہ بھی زبانی جمع خرچ سے نہیں بلکہ عمل سے
اور قرآن کی محکم سند عطا کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہر لگا دی
اور حکم دے دیا کہ اب انسانی بہبود کا کوئی راز ایسا نہیں جس کو بتلانے
کے لیے زمین پر کوئی دوسرا آئے گا۔ یا کوئی اور کتاب نازل ہو گی۔

حمیدہ! کربلا کا واقعہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ ہر سال محرم
کے دنوں میں اس کی یاد منائی جاتی ہے تاکہ انسان حق و باطل میں
تمیز کرے۔ کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ رسولِ کریم کے جتنے اصحاب تھے

سب کے سب سپاہی اور مجاہد تھے۔ اور ہمیشہ شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہے۔ آج بھی اگر کوئی شخص شہادت کا رتبہ پاتا ہے تو اس کے خاندان والے کس قدر فخر محسوس کرتے ہیں۔ کیا رُتبۂ شہادت سپاہی بنے بغیر مل سکتا ہے۔ اصل سپاہی وہی انسان بنتا ہے جو علم و عمل سے وحدانیت کا قائل ہو اور اس کے لئے ایک عقلمند ماں کی اعلیٰ تربیت کی ضرورت ہے۔ اچھی ماں کی تربیت اولاد کو جیسا چاہیے بنا سکتی ہے۔ کیا تم نے مصطفےٰ کمال کی زندگی پر غور نہیں کیا۔ ایک نادار بیوہ کا لڑکا جو سکول اور کالج کی تعلیم سے بظاہر محروم رہا۔ اسے اگر کوئی تعلیم کارگر ہوئی تو صرف اس کی والدہ کی تربیت تھی جس نے اُس کی زندگی دُوسروں کے لیے زندہ مثال بنا دی۔ خدا کرے کہ تم بھی مصطفےٰ کمال کی والدہ کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے صاؔبُو کو وہ تعلیم دینے میں کامیاب ہو جاؤ کہ جس تعلیم سے انسان دنیا میں مشعلِ راہ اور آخرت میں اللہ کا محبوب بنتا ہے۔ دنیا میں ہمیشہ نام زندہ رہتا ہے۔ اور خاندان کے وقار کو چار چاند لگاتا ہے۔ حمیدہ! مالی مشکلات انسان کی راہ میں طرح طرح کی روکاوٹیں ضرور ڈالتی ہیں لیکن ماں کی تعلیم و

تربیت میں مالی مشکلات کا دخل نہیں۔ انشاء اللہ زندگی بخیر کسی دوسرے خط میں انسانی عزم اور مالی مشکلات پر روشنی ڈالوں گا۔

نمبر ۱/۱ انوآر

خط نمبر ۵

میرے دل کی محرم حمیدہ!

خیریت موجود و خیریت مطلوب۔ تمہارا خط آیا حالات سے آگاہی ہوئی صابو کی شرارتیں پڑھ کر ہنسی آگئی۔ بچے فطری طور پر شوخ طبع ہوتے ہیں۔ پھر جس گھر میں ایک ہی ہو اُس کا تو کیا ہی کہنا۔ ذرا ذرا بات پر مچلنا اور ضد کرنا۔ بلاوجہ رونا اور چلّانا۔ حمیدہ! بچوں کی شوخیاں واقعی اچھی لگتی ہیں۔ لیکن ہر چیز حد سے تجاوز کرنے پر مہلک اور خطرناک ہو جاتی ہے:۔ بقول کسے ع اَنت نہ بہتا بولنا۔ اَنت نہ بہتی چُپ اَنت نہ بہتا برسنا۔ اَنت نہ بہتی دھوپ۔ مطلب یہ کہ ہر چیز کی زیادتی خراب ہوتی ہے۔ خصوصاً بچوں کے معاملہ میں ماں باپ کو

بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی حرکات پر ہنس کر چشم پوشی کرنا اُن کی عادات خراب کرنا اور اُن کے لیے سامان ہلاکت مہیا کرنا ہے اور پھر ساری زندگی پچھتانا پڑتا ہے۔ ایک دفعہ بچوں کی عادات بگڑنے پر اُن کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ بچوں کا ہنسنا۔ کھیلنا اور کُودنا درست لیکن ہر چیز کو توڑنا۔ پھوڑنا۔ کپڑوں کو گندہ کرنا۔ ذرا سی ہوش سنبھالنے پر چپکے سے کبھی کوئی چیز گھر سے اُٹھا لے جانا اور پوچھنے پر بات بات پر جھُوٹ بولنا یہ تمام باتیں بچوں کے طور و اطوار خراب کر دیتی ہیں جس کا خمیازہ وہ ساری عمر بھگتتے ہیں اور ماں۔ باپ کفِ افسوس مل کر رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تاسف سے کہتے ہیں کہ یہ بچپن سے ہی شریر تھا۔ ہمارے بے جا لاڈ پیار نے اُس کو بگاڑ دیا۔ بچہ ہوتا تو ڈرایا۔ دھمکایا جا سکتا تھا۔ اب برابر کا جوان ہے۔ بری عادتوں کا شکار ہے۔ چوری کی عادت۔ بات بات پر جھوٹ بولنا۔ نہ بڑوں کا ادب۔ اور نہ چھوٹوں سے پیار۔ ماں باپ کا اس قدر لاڈ کہ اس کی ہر بری عادت کو خاموشی سے دیکھتے رہنا۔ ہاں دُور کیوں جائیں اپنے محلہ میں بابو نیاز کے صاحبزادے کی مثال لے لو۔ اکلوتا بیٹا

ماں باپ کا اس قدر لاڈلہ کہ تین سال کی عمر میں اگر کپڑے پھاڑے تو خاموش۔ ضد میں آ کر گھر کے برتن توڑ ڈالے تو خاموش۔ گھر میں فحش گالیاں دے تو بھی خاموش یا ہنس کر ٹال دیں۔ چھوٹی بہن کو مارے تو کوئی سرزنش نہیں۔ نتیجہ یہ کہ چھ سال کی عمر میں سکول بٹھاتے گئے اور سال بھر تک ایک آدمی سکول لے جا کر چھوڑ آئے اور دوسرا اسکول سے واپس لائے۔ اگر کوئی سکول چھوڑنے نہ گیا تو صاحبزادے بجائے سکول کے سیر و تفریح میں لگ گئے رات ہوئی۔ چپکے سے آئے اور ماں نے چھاتی سے لگا لیا۔ ہائے میرا لال صبح سے گیا اب آیا ہے نہ کچھ کھایا ہے اور نہ کچھ پیا۔ بھوک کے مارے برا حال ہے۔ اور بچہ ہے کہ جھوٹ موٹ منہ لبسورے بیٹھا ہے۔ اور گھر میں پکی ہوئی روٹی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اب ماں کی غلط مامتا دوسری طرف پلٹتی ہے۔ بیٹا سالن اچھا نہیں ہے تو جاؤ بازار سے چائے آنے کی بالائی لا کر کھانا کھا لو۔ اگر باپ نے ذرا سی ترش روئی دکھائی تو ماں بگڑ گئی۔ واہ ہر دم میرے بچے کے پیچھے لگے رہتے ہیں نہ کچھ کھایا ہے نہ کچھ پیا۔ ابھی عمر ہی کیا ہے ذرا یاد تو کرو بچپن میں تم

نے کیا کیا نہ کیا تھا۔ اب بچوں کے پیسے ذرا ذرا سی بات پر بگڑتے ہو آخر کس کے لیے کماتے ہو۔ ان ہی کے تو کام آئے گا۔ باپ بے چارہ خاموش بیٹھا سنتا رہا اور چپ چاپ باہر چلا گیا۔ گھر میں چھوٹی بہنوں کا جینا مشکل ہے۔ ہر وقت کی چیخ و پکار۔ اماں نذر نے مجھے مارا ہے۔ محلے کی گلی میں آج کسی کے لڑکے کو مارا اور کل کسی کے گھر سے کوئی چیز اُٹھا لایا۔ آخر تا بکے۔ محلہ والوں نے شکایات شروع کر دیں۔ اور ماں۔ باپ اپنے لاڈلے کے خلاف کسی سے ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا شروع شروع میں ذرہ تلخ کلامی رہی۔ اور بعد ازاں پولیس تک نوبت آئی۔ مقدمہ ہوا اور مفت میں ہزاروں روپے خرچ ہو گئے اور صاحبزادے برائے نام سکول کا طواف کرتے رہے اور اپنا نام تک لکھنے سے قاصر رہے۔ دوسری طرف احسان اللہ کو دیکھ لیں، کہ میاں ۳۵ روپے کا سپاہی بیوی اور تین بچوں کا خرچ۔ اس پر طرّہ کہ بیٹا دسویں میں پڑھتا ہے۔ جس قدر پڑھنے لکھنے کا شوق اُسی قدر کھیلنے کا بھی شوق۔ اسکول میں ہر طرف انور ہی انور کا نام ہے۔ سفید پوش۔ کتابیں صاف۔ تمہیں تعجب ہو گا۔

کہ اتنی قلیل آمدنی میں گھر کا یہ سلیقہ اور قرینہ۔ یہ کیا راز ہے۔ حمیدہ یہ کچھ بھی نہیں صرف ماں باپ کا ہر بات میں اعتدال سے کام لینا۔ اپنی آمدنی کے پیش نظر خرچ کرنا۔ قرض سے نفرت ہر ماہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کی عادت۔ ایک غریب کے گھر کو جنت نشان بنا دیتی ہے۔ ہزاروں روپیہ کمانے والے لوگ جو بات بات پر دس کی جگہ سو خرچ کرکے اپنی شیخی بگھارتے تھے آج احسان اللہ اور ان کی بیوی کے حسن تدابیر پر رشک کرتے ہیں محلہ میں آپس کے جھگڑے چکانے کے لیے احسان اللہ اور ان کی بیوی کو بلایا جاتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہاری طبیعت فطرتاً صلح کن ہے۔ تم معمولات کو حقیقت کی نظر سے پرکھتی ہو۔ ضرور سمجھ لو گی کہ ہم بھی اپنے صابو کو کس طرح سے قابل ترین سپاہی بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انشاء اللہ بچوں کے رجحانات اور بچوں کو فلاح و بہبود کی عملی ترغیب دینے کے لئے کبھی پھر روشنی ڈالوں گا۔

تمہارا۔ انور

خط نمبر ۶

میرے دل کی محرم حمیدہ!

السلام علیکم۔ خیریت باہمی

تمہارا خط آیا حالات سے آگاہی ہوئی۔ الحمد للہ کہ ہمارا حنا بُو ذہین اور سنجیدہ ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ اُسے درازیٔ عمر کے ساتھ اقبال اور سعادت مندی کی دولت سے مالا مال کرے۔ دنیا کی تاریکیوں میں اُجالا ہو کر چمکے۔ غریبوں کے کام آئے۔ ملک و قوم کا نام روشن کر کے اللہ و رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرے۔ روزانہ کے مشاہدات اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ بچہ فطرتاً لاشعوری کی بنا پر جو دیکھتا اور سنتا ہے۔ اُس کا اثر لیتا ہے اور وہی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

تم نے بارہا دیکھا ہوگا کہ صابو کو جب بھی کبھی پیار سے کہا کہ بیٹا کھوآیا۔ تو پہلے سنتا رہا اور دس بیس مرتبہ کی دماغ سوزی کے بعد یکا یک صابو نے بھی اپنی توتلی زبان میں آبو آبو کہنا شروع کر دیا۔ اب اگر تم اس کو پیار سے کوئی اور لفظ سکھانا چاہو تو یقینی طور پر وہ اُس کو بھی ادا کرے گا۔ اسی طرح اگر تم صابو کو اچھی اچھی باتیں کہو گی تو وہ سب باتیں اپنے حافظے میں جمع کرتا رہے گا اور جہاں جسمانی طور پر پروان چڑھیگا وہاں رفتہ رفتہ باشعور بھی ہو جائے گا۔ اور دنیا کے ہر مسئلہ کو آسانی سے سمجھنے کے قابل ہوگا۔ اچھی عادتوں کی وجہ سے زندگی میں کامیاب ہوگا اور اپنے نصب العین کی طرف دن دونی رات چوگنی ترقی کرکے دنیا کا بہترین سپاہی بن جائے گا۔ وہی بُوا انوری اور اُن کے لڑکے رفیق کی مثال ہوگی۔ بُوا انوری ہنس ہنس کر کہہ رہی ہیں ارے رفیق تُو تو بہت شریر ہے۔ ہے گندہ کہیں کا فوراً ہوش سنبھالا اور کھانے پینے کی کوئی چیز اُٹھائی تو ہنس کر فرمانے لگیں۔ ارے رفیق تُو تو بڑا چور ہے۔ ڈاکو ہوگا ڈاکو۔ ذرا رفیق میاں رو پڑے تو فوراً چلا بیٹھیں۔ وہ لُلّو آیا۔ پکڑ کر لے جائے گا۔ رفیق میاں خاموش ہو گئے اور

اور اپنے لاشعور میں طرح طرح کی وحشتیں۔ بڑی بڑی باتیں اخلاق سے گری ہوئی عادات کا خزانہ بھرپور کرتے گئے۔ چھ سال کی عمر اور نہایت گندے ناک بہہ رہی ہے اور قمیض کی آستین سے پونچھ رہے ہیں۔ کھڑے کھڑے پیشاب کر رہے ہیں گرمی کا موسم دوپہر کا وقت۔ پاؤں سے ننگے گلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ذرا ہوش سنبھالا تو جھوٹ عادت میں شامل ہوا۔ چوری چکاری کا شوق ہوا۔ پڑھنے لکھنے کے نام بالکل صفر کتابیں پھاڑ دیں بستہ۔ سکول چھوڑا۔ کام کاج سے منہ موڑا۔ آج پچیس سال کی عمر میں ہیں اور دو دفعہ۔ چھ چھ ماہ قید بامشقت کی سزا بھگت چکے ہیں گھر کا جو اثاثہ تھا ختم کر دیا۔ اور ہماری بُوا انوری آٹھ آٹھ آنسو روتی ہیں۔ یا اللہ میرے رفیق کو سمجھ بوجھ دے۔ دنیا کے بچے۔ ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا بنتے ہیں اور ایک یہ قسمت کی ماری ہوں کہ ہر وقت پریشان ہوں۔ کوئی نہ کوئی آفت رفیق میاں کے ساتھ آئے دن لگی رہتی ہے۔ مقدمے میں زیور بک گئے۔ گھر میں خاک اڑنے لگ گئی۔ پاس پڑوس میں بُری بن گئی۔ رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا۔ اور حد تو یہ ہے کہ ممتا کی ماری اگر رو کر اپنا بوجھ ہلکا کرے تو لوگ کہتے

ہیں اب رونے سے کیا فائدہ۔ تم ہی تو بچپن سے چور اور ڈاکو کہہ کر پکارتی تھیں۔ بچے جیسا سنتے ہیں ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔

حمیدہ! دیکھا معمولی معمولی باتیں بچوں پر کیسا بُرا اثر ڈالتی ہیں بچہ اور سفید کپڑا یکساں ہیں۔ سفید کپڑے پر جیسا رنگ ڈالو گی ویسا ہی رنگ قبول کرے گا۔ اور بچہ کو جیسا کہو گی ویسا ہی ہو جائے گا۔

دعا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ہر ماں کو عقلِ سلیم دے اور ماں بننے سے پہلے اچھے ماحول۔ اچھی عادات، اور دُور اندیشی کی عادت سے مالامال کرے۔ تاکہ ماں بننے پر اولاد کی ہر خوشی سے سرشار ہوں ملک و قوم کے لیے نیک نام ہوں۔

حمیدہ! بچوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیئے۔ اگر کسی قسم کے تفکرات ہوں تو بھی بچوں کے سامنے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے ذہن میں کوئی ایسی بات نقش نہ ہو جائے جس کا نتیجہ جوانی میں اُن کے لیے مہلک ہو۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بُزدل اور نکمے ہو جائیں۔ ماں کی گود بچہ کے لیے بہترین درسگاہ ہے جہاں پر وہ تاریخ جغرافیہ الجبرا۔ جیومیٹری نہیں سیکھتا۔ لیکن یہ سب

کچھ سیکھنے کی صلاحیت اور ایک راسخ الیقین تجربہ کار سپاہی کے اوصاف لے کر پروان چڑھتا ہے اور وقت آنے پر دنیا کے تمام علوم پر حاوی ہو جاتا ہے۔

حمیدہ! دُعا ہے کہ ہمارا اصابو بھی تمہاری گود میں ان تمام اوصافِ حمیدہ سے مالامال ہو کر پروان چڑھے۔ تاکہ اس کی زندگی میں کوئی رُکاوٹ حائل نہ ہو اور سپاہیانہ اخلاق کے ساتھ میدانِ عمل میں پیش پیش ہو زیادہ کیا تحریر کروں۔ انشاء اللہ زندگی بخیر پھر کبھی بچوں سے بازپُرس کرنا اور اچھا کام کرنے پر اُن کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے تحریر کروں گا۔

بچوں کو پیار۔ بزرگوں اور ہر پُرسانِ حال کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

تمہارا

انوار

خط نمبر ۸

پیاری حمیدہ ــــــ

السلام علیکم.

خیریت موجود و خیریت مطلوب! تمہارا ملفوف ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ میرا تبادلہ گذشتہ مہینے ہو گیا تھا اور آج میں اپنے نئے اسٹیشن پر آگیا ہوں۔ نئی جگہ۔ نئی فضا اور نیا ماحول۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے میں ہر حال میں خوش ہوں۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہاں کی ہر بات سے مانوس ہو جاؤں گا۔ اور یہ حرفِ غلط کی طرح دل و دماغ سے مٹ جائے گا کہ میں کسی نئی جگہ پر آیا ہوں۔

حمیدہ! تمہارے خط میں یہ پڑھ کر کہ صابو ذرا ذرا سی بات پر مار کھاتا ہے۔ اور پھر بھی نہیں مانتا! مجھے تعجب بھی ہوا اور افسوس

بھی۔ تعجب اس لئے کہ تمہارے جیسی عاقل بیوی بھی ایسی غلطی کی مرتکب ہو سکتی ہے۔ اور افسوس اس لیے کہ بچہ پر اس کا کہیں بُرا اثر نہ پڑے جس کا تدارک نہ میرے بس میں ہو اور نہ تمہارے ہی بس میں سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ حمیدہ! میں نے اپنے پچھلے خط میں بچہ کے فطری طور پر حساس ہونے کا ذکر کیا تھا۔ جس کو تم بھی اچھی طرح سے جانتی ہو اور روزانہ کے مشاہدات موجود ہیں کہ بچہ کو جس نے پیار و محبت سے بُلایا۔ بچہ اس کے پاس جاتا ہے اور جس نے ذرا نفرت یا ترشروئی سے بُلایا بچہ دُور بھاگتا ہے۔ خدا نہ کرے صابو کی مثال بھی ماسٹر عنایت کے لڑکے کی ہو جائے تم تو اچھی طرح سے جانتی ہو محلہ میں ماسٹر عنایت کی بیوی اس میں پیش پیش ہے ذرا ذرا سی بات پر بچوں کو دھڑا دھڑ پیٹنا غصہ میاں سے مار بچوں کو ہنڈیا اپنی جلدبازی کی بنا پر ٹوٹی۔ اور مار دھاڑ بچوں پر۔ گھر کی تنگی کا اگر احساس ہوا تو بچوں پر آفت۔ غرض بچوں کا اُٹھنا بیٹھنا۔ بولنا چالنا ہر چیز معیوب اور اس کا تدارک۔ بے تحاشا مار دھاڑ اور پھر بلاوجہ پچھتانا۔ ہائے سارا دن ہو گیا جسم پر مار کے نشان پڑ گئے میرے

بچے کو بُنھار ہوگیا۔ اور پھر ایسی ویسی کوئی بات ہوئی تو وہی مار دھاڑ اور وہی چیخنا چلانا۔ جس کے نتیجہ پر بچے کی حساس طبیعت بالکل بدل گئی۔ جہاں شروع شروع میں ذراسی آنکھ دکھانے پر ڈر جاتا تھا۔ اب مار کھانے پر بھی نہیں ڈرتا۔ دو چار منٹ جھوٹی ہائے توبہ کرلی اور پھر وہی حرکتیں۔

حمیدہ! خود ہی بتاؤ اب یہ لڑکا جس کی طبیعت میں احساس ہی نہ رہا ہو وہ بڑا ہوکر کسی تعلیم یا ہنر کے تاثرات کیسے لے گا۔ جس بچے کے لاشعور میں شوق اور خوف دونوں لفظ مفقود ہوں۔ وہ شعور میں آکر کیسے تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ یا کیسے کسی ہنر کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ اس کے برعکس اپنے گھر میں ہی چچا شفیع کے بچوں کو دیکھ لو چچی نے علی الصبح بچوں کو اٹھایا۔ منہ ہاتھ دھلایا۔ ناشتہ کرایا اور ان کے ہاتھوں میں کتابیں دے کر سکول روانہ کردیا۔ اور ہر بات میں چچی ہیں کہ ہنسی خوشی کہ میرا امداد تو بڑا اچھا ہے۔ صبح ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔ کپڑے پہنتا ہے۔ سکول چلا جاتا ہے۔ کپڑے ہر وقت صاف رکھتا ہے۔ شام کو کھیلنے کے بجے

جاتا ہے۔ رات ہوئی کھانا کھایا اور سو گیا۔ بڑا اچھا لڑکا ہے۔ یا اگر
امداد صاحب کبھی سکول نہ گئے یا کتابیں پھاڑیں تو مارنے دھاڑنے
کی بجائے فوراً سنجیدگی سے بیٹا یہ تو نے کیا کیا؟ یہ بہت بڑی بات
ہے۔ اچھے بیٹے کہیں ایسا کرتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑے بچوں کی عادت
ہے۔ خدا نہ کرے کہ میرے بچے میں بری عادت پڑے۔ امداد خبردار
بیٹا آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی۔ بچہ سوچنے
لگا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ آگے کو ایسا نہ کروں گا۔ ماں کی
سنجیدگی سے دی ہوئی نصیحت بچے کے دماغ میں ہمیشہ ہمیشہ کے
لیے نقش ہو گئی اور ہر طرف صاف رہنے۔ کتابیں نہ پھاڑنے۔ سکول
جانے اور وہاں پر یکسوئی سے پڑھنے کی عادت اپنا گھر کرتی گئی
نہ امداد صاحب کو کوئی کوفت اور نہ ماں کو پریشانی۔ ماں بھی خوش
اور بچہ بھی خوش۔ جس کی بدولت میاں امداد دن دونی۔ رات چوگنی
ترقی کرتے ہوئے بی۔ اے ایل۔ ایل بی ہو گئے۔ چچا اور چچی پھولے
نہیں سماتے۔ میاں امداد صاحب کی عادت میں ہر کس و ناکس
کا خیال۔ غریبوں سے ہمدردی اور بڑوں کا ادب ایسا شامل ہو گیا ہے

کہ اپنی عُمر سے بڑا ان کے پاس آجائے تو بڑے ادب سے اُٹھتے ہیں۔ سلام
کرنے میں پہل اور پھر بڑی انکساری سے پوچھتے ہیں کہ قبلہ میں آپ کی
کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں اور تو اور میں نے
بارہا دیکھا ہے۔ کہ ہمارے گھر کا بھنگی جس کو عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر
چچا بھنگو کہتے ہیں لیکن امداد صاحب کے پاس جب بھی چچا بھنگو آئے
تو اس کا استقبال ان الفاظ سے کیا۔ کہئے چچا کیسے آئے۔ طبیعت
تو ٹھیک ہے۔ گھر میں خیریت ہے۔ اب تو چچا بوڑھے ہو گئے ہو۔
آرام کیا کرو۔ اب آپ کا زمانہ اس قدر محنت کرنے کا نہیں۔ ہمیں تو
اپنا بچپن یاد ہے۔ جب آپ مجھے کبھی کبھی دادو کہہ کر پکارتے
تھے اور پیار سے کہا کرتے تھے کہ دادو کتابوں کو ٹھیک کر کے پکڑو
اور سیدھے سکول جانا۔ کہیں راستے میں کھیل کود میں مشغول نہ ہو جانا
چچا تمہاری باتوں میں کس قدر مٹھاس تھی کہ آج تک مزا پاتا ہوں۔
آپ عُمر کے اعتبار سے میرے بزرگ ہیں اور پھر میں نے تو آپ
سے بہت کچھ پایا ہے۔ یہ پانچ روپے لے لیجئے آپ کے کام آئینگے
آخر آپ کی دعاؤں سے تو اس مرتبہ کو پہنچا ہوں۔ آپ کا حق تو

کیا ادا کر سکتا ہوں بہر حال قبول کیجئے" اور چچا بھنگو خوشی اور عزت افزائی کے احساس سے ایسا سرشار ہوئے کہ آنکھوں میں مسرت سے آنسو نکل آئے اور جاتے ہوئے دُعا کے ساتھ ساتھ کہتے جا رہے ہیں کیوں نہ ہو۔ بھلے گھر کا چراغ ہے۔ اچھی ماں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ خاندانی شرافت کا اثر ہے۔ اخلاق کس قدر بلند۔ یا اللہ امداد بیٹیا کو زندگی کی تمام خوشیوں سے مالا مال کر دے۔ یا اللہ امداد صاحب کے ماں باپ کو دنیا و آخرت میں سرخرو کر۔ یا اللہ تیرا فضل ہے کہ تیرے فضل کی ایک کرن ہمارے قصبے میں چمک رہی ہے۔ ایسی چمک دمک رہتی دُنیا تک رہے۔

حمیدہ! دیکھا۔ بچوں کے لیے مار دھاڑ اور ہر بات پر چیخنا چلانا کس قدر مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس سنجیدگی کی نصیحت۔ بروقت بچوں کی دیکھ بھال۔ اور اُن کی تمام حرکات و سکنات کو حُسنِ تدبیر سے سمجھنے سمجھانے سے کیسے کیسے اچھے نتائج نکلتے ہیں بس سمجھ لو۔ اگر یہ خوبیاں ہمارے صابو میں بھی پیدا ہو گئیں۔ تو دُنیا کا بہترین پیارا ہی ہو گا۔ جس سے ہمارا نام خاندان کا نام۔ ملک و قوم

کا نام۔ روزِ روشن کی طرح چمکے گا۔ اور اللہ کا فضل شاملِ حال ہو کر دس
بیس نہیں ہزاروں لاکھوں کے لیے مشعلِ راہ ہو گا۔

تمہارا!
انوار

خط نمبر ۸

میری حمیدہ خوش رہو

السلام علیکم:

خیر و عافیت.. تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ گھر کی صفائی اور بچوں کے روزمرہ کے پروگرام سے واقف ہو کر گوناگوں مسرت ہوئی۔ تمہاری مصروفیات واقعی بہت زیادہ ہیں۔ لیکن عزم و استقلال سے ان تمام ذمہ داریوں کو سنبھال لینے کے بعد نتیجہ جس قدر خوش کن نکلتا ہے اِس کا اندازہ اس لڑکے سے پوچھئے۔ جس نے دن رات کی محنتِ شاقہ کے بعد بی اے کا امتحان پاس کیا ہو وہ کتنا مسرور ہوتا ہے کہ تمام تکالیف بھول جاتا ہے اور صرف یہ یاد رکھتا ہے کہ میں پاس ہو گیا ہوں۔

اسی طرح اگر ہم بھی ان ذمہ داریوں میں بخیر و خوبی کامیاب ہو گئے تو ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔

حمیدہ! بچوں میں تعلیم کا شوق۔ صفائی کا خیال ورزش کے شوق کی جہاں تک ضرورت ہے وہاں ایک چیز اور بھی ہے۔ جس پر زندگی کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اور وہ ہے۔ خود اعتمادی لیکن یہ تعلیم سکول و کالج میں جا کر نہ ہوگی بلکہ اس کی تعلیم گاہ اچھی ماں کی گود ہے۔ ورنہ بچے اس نعمت سے محروم رہ کر بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی ترقی کی راہ میں اپنا راستہ کھو بیٹھتے ہیں اور اپنے اور دوسرے کے لیے ایک بوجھ بن جاتے ہیں جو کہ سپاہیانہ زندگی کے بالکل منافی ہے اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں صرف وقتاً فوقتاً بچوں کے دل و دماغ میں نقش کرنے کی کوشش کریں۔ کہ وہ اپنا کام خود کریں۔ یہ نہیں کہ چچا نیظر کی طرح سے لکھے پڑھے۔ جسمانی لحاظ سے بالکل تندرست اور مضبوط لیکن گھر پر آئے۔ فوراً۔ ارے کوئی ہے میرا جوتا لائے۔ ارے ہاں میری قمیض بھی دے دینا۔ یہ میرا کوٹ ذرا لٹکا دو۔ حالانکہ نہ بوٹ کہیں سے لانا ہے اور نہ قمیض کہیں سے لانی ہے۔ بالکل ہاتھ

بڑھانے کی ضرورت ہے یہ خود لے سکتے ہیں اور کوٹ کو وہی کھونٹی پر لٹکا سکتے ہیں۔ یہ صرف ایک بُری عادت ہے کہ وہ معمولی کاموں میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں۔ اور یہ سب کچھ بچپن کا پالا ہوا روگ ہے جو ساری عمر ساتھ رہے گا۔

حمیدہ! اپنے محلہ میں خالہ اللہ رکھی کو تو جانتی ہو؟ دیکھا بچوں کے معاملہ میں کیا کیا تماشے کرتی ہیں۔ اللہ رکھے ان کا لڑکا شبراتی سکول سے آیا تو فوراً خالہ اللہ رکھی گھبرائی ہوئی بھاگیں اور چلائیں۔ ارے رشیدہ! مجیدہ! توبہ توبہ یہ لڑکیاں کہاں مرگئیں۔ بچہ سکول سے آیا ہے۔ کوئی اس کی کتابیں سنبھالنے والا نہیں۔ ارے کوئی پانی لے کر اس کا منہ ہاتھ دُھلا دے۔ تاکہ تسلی سے کھانا کھائے اور آئے دن خالہ اللہ رکھی ہیں کہ گھر سے خالص گھی اور دودھ سے ماسٹر جی کی خدمت کر رہی ہیں کہ صرف اس سال میرے بچہ کو امتحان میں پاس کر دیں۔ ورنہ بچے کا سال خراب ہو جائے گا اور صاحبزادے سفارشی پاس ہوتے رہے۔ اگر ماسٹر صاحب نے کوئی سوال گھر پر حل کرنے کو دیا تو فوراً کلاس کے کسی ہوشیار لڑکے کے پاس چلے گئے

کہ میاں یہ سوال ذرا ہماری کاپی میں بھی لکھ دینا۔ مٹھائی کھلائیں گے
اسی طرح دس سال کی بجائے پندرہ سال میں سکول کی خاک چھان کر
دسویں کلاس پاس کی اور بعد ازاں اللہ اللہ کرکے چونگی کے دفتر میں
محرر کی جگہ ملی۔ کیونکہ ہر کام میں دوسروں سے مدد لینے کی عادت تھی
خود اعتمادی سے محروم تھے۔ لہذا کبھی کبھی چپڑاسی ہی کو ڈیوٹی پر بٹھا
دیتے اور حکم دیتے کہ ارے جھمن ذرا محصول لے کر پرچی پھاڑ دینا یار
بڑا آرام ہے۔ تیرا دم بھی غنیمت ہے۔ ماشاء اللہ اچھا لکھ لیتے ہو
اور چپڑاسی جھمن میاں شبراتی کا کام کر رہے ہیں۔ محصول کا کام۔
کہیں روئی کی گاڑی کھڑی ہے۔ کہیں اناج کی۔ سینکڑوں من کا حساب۔
جھمن میاں نے سوداگر صاحب سے آنکھوں ہی آنکھوں میں بات کی۔
اور دو چار قدم دور جا کر ان سے دس روپیہ لے کر اپنی جیب میں
ڈالے اور ۱۰۰ من کی بجائے پچاس من کی پرچی کاٹ دی۔ اور خوشی
خوشی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پرچی جھمن میاں کاٹیں اور دستخط شبراتی
میاں کریں۔ نتیجہ یہ کہ ایک روز شہر میں داروغہ صاحب نے ایک
صاحب کا سامان پکڑ لیا تو معلوم ہوا کہ ۱۰۰ روپیہ محصول کی بجائے

جھمن میاں نے دس روپیہ لے کر بیس روپے کی پرچی کاٹ دی۔ مال پکڑا گیا۔ شبراتی میاں پر قانونی کاروائی کی گئی۔ تین ماہ تک معطل رہے اور بڑی کوشش اور سفارشوں سے بحال ہوئے۔ کتنی بڑی ٹھوکر کھائی تھی۔ لیکن عادت سے اب بھی مجبور۔ بیسیوں دفعہ دیکھا ہے کہ اپنی ڈیوٹی پر دوسروں کو بٹھا کر شبراتی میاں تاش کی بازی میں مشغول ہیں۔

حمیدہ! دیکھا خود اعتمادی کس قدر ضروری ہے۔ جب تک اس کو اپنی عادت میں شامل نہ کریں گے۔ وہ اپنی زندگی میں سپاہیانہ خوبیاں پیدا نہیں کر سکتے۔ دُعا ہے کہ اللہ اپنے حبیبؐ کے صدقے ہمارے صابو کو تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی کی نعمت سے مالامال کرے۔ تاکہ مکمل سپاہی بن کر غریبوں اور خاص و عام کے کام آئے۔ اور ایک کامیاب سپاہی بن کر ملک و قوم کی خدمت کر سکے۔

بچوں کو پیار

تمہارا! انوار

## خط نمبر ۹

میرے دِل کی محرم حمیدہ!

السلام علیکم۔ خیر و عافیت

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ گھر کی صفائی۔ بچوں میں پڑھنے لکھنے کا شوق۔ ورزش کی عادت۔ فصلوں کی بہتری اناج کی فراوانی کے متعلق پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی میں جنت کی سیر کر رہا ہوں۔ دُعا ہے کہ اللہ انسان کو ایسے ماحول عطا کرے جس سے دنیا میں رنج و غم۔ قتل و غارت نفرت کی بُری عادتیں انسانی دماغ سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں اور خوشی و مسّرت آپس میں پیار محبّت سے بھرلوپر۔ صداقت

شرافت اور امانت سے سرشار ہو۔

حمیدہ! برسات کے موسم میں شام کے وقت لیمپ کی روشنی کے اردگرد رنگ برنگ کے پتنگے اور پروانے تو ہمیشہ دیکھتی ہو! کبھی غور بھی کیا ہے۔ کہ اس قدر مخلوقات کہاں سے آئی ہیں۔ اور ہر صبح وہ ساری مخلوقات کہاں چلی جاتی ہے؟ یہ سب قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم ان پروانوں کے متعلق ضرور معلومات حاصل کریں۔ اور ان کے نفع و نقصان سے واقف ہو کر بنی نوع انسان کی خدمت کریں لیکن پروانے کیوں ہیں یہ سب اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس کے اعلیٰ و برتر ہونے کی صرف پروانوں ہی سے مثال نہیں لینی چاہیئے۔ بلکہ انسان ہی کو دیکھ لو۔ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک کے حالات کو اپنے دماغ میں جمع کیے ہوئے ہے۔ اور موقع بہ موقع جب کسی بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ فوراً دماغ سے حاصل کر کے مجمع عام میں اظہار کر دیتا ہے۔ اگر سکول میں پروگرام کے مطابق پہلا وقت ریاضی ہے تو ماسٹر صاحب نے حساب پڑھایا اور لڑکوں نے ماسٹر صاحب کا بتلایا ہوا سبق اپنے دماغ میں اس طرح سے

باندھ کر رکھ لیا۔ جیسے کسی خزانچی نے دس دس روپیہ کے نوٹ باندھ کر رکھ لیے ہوں۔ اور دوسرے گھنٹے میں جغرافیہ کا وقت آیا۔ تو ماسٹر صاحب نے جغرافیہ کا سبق پڑھایا اور لڑکوں نے جغرافیہ کے سبق کو علیحدہ اپنے دماغ میں جگہ دے دی۔ کس قدر مضمون ہیں۔ ماشاء اللہ صاحبو کی کتابوں سے اندازہ لگا سکتی ہو۔ اور بعد ازاں تمہاری تعلیم قرآن خوانی۔ دینیات اور ہر وقت کی بات چیت۔ کیا انسان اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ انسانی دماغ میں کس قدر وسعت ہے۔ جو علم چاہے اور جتنا چاہے اپنے دماغ میں رکھتا رہے۔ سبحان اللہ۔ اللہ بڑا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ میرا یہ مطلب صرف نہیں یہ بتلانا تھا کہ جس طرح سے انسانی دماغ کی وسعت کا علم ہم کو نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سے ہم یکبارگی یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ انسان کتنی اچھی عادتوں کو اپنا سکتا ہے۔ اور کتنی بُری عادتوں کو۔ یہ سب کچھ صرف اچھی ماں کی تربیت اور واقفیت پر منحصر ہے۔ شاید بگڑ کر یہ کہہ دو کہ کیا میں اب سکول یا کالج میں جا کر علمِ ریاضی اور دیگر علوم سیکھوں تاکہ اُن کی تعلیم صاحبو کو دوں۔ حمیدہ! یہ نہیں بلکہ شارع اسلام اور رہبرانِ بنی نوع انسان

نے انسان کی بہتری کے لئے تین زریں اصول بنا دیئے اور فتوے دیدیا کہ انسان کی تمام اچھی عادتوں کا انحصار انہیں تین اصولوں پر مبنی ہے۔ اگر انسانی دماغ میں یہ تین اصول نقش ہو گئے۔ تو انسان ان اصولوں کی بنا پر تمام اچھی عادات حاصل کرے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بری عادتوں سے نفرت کرے گا۔ اصول یہ ہیں۔ خود اعتمادی۔ یقین محکم اور اتحاد۔ خود اعتمادی پر میں اپنے پہلے خط میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ آج یقین محکم پر روشنی ڈال رہا ہوں۔ انشاء اللہ پھر کبھی اتحاد پر تبصرہ کروں گا۔ شاید گھر میں لگے ہوئے کیلنڈر پر قائداعظم کے بتلائے ہوئے یہ اصول تمہاری آنکھوں کے سامنے آئے رہوں گے اور سمجھ گئی ہوگی کہ ان اصولوں کا انسانی ترقی کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ یقین محکم۔ خود اعتمادی کا ایک جز ہے۔ لیکن اس کے تاثرات جداگانہ ہیں۔ حمیدہ! رسولِ کریم صلعم کی زندگی کے حالات تو تمہاری نظر سے کئی بار گزرے ہوں گے۔ جنگ بدر کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ ہادیٔ برحق اپنے چند جاں نثاروں کو لے کر میدانِ جنگ میں نکلتے ہیں جن کی تعداد تین سو یا تین سو دس ۳۱۰ کم و بیش تھی۔ ستر اونٹ

اور دو گھوڑے تھے۔ زرہ بکتر ایک بھی نہ تھی۔ کسی مجاہد کے پاس پورے ہتھیار نہ تھے۔ اگر کسی کے پاس تلوار تھی تو نیزہ نہ تھا۔ نیزہ تھا تو تلوار نہ تھی۔ تیر اور کمانیں بھی بہت کم تھیں۔ آنحضرتؐ نے ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار آدمیوں کو سوار کر دیا۔ خود اپنے اونٹ پر بھی دو تین آدمی سوار کر لیے۔ پھر بھی کثیر تعداد میں لوگ پیدل رہ گئے۔

دشمن کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ہیں۔ سینکڑوں قریشی جنگجو نامی گرامی پہلوان۔ زرہ بکتر پہنے ہوتے۔ جنگی اسلحے اور جنگی ساز و ساماں سے لیس رسد و دیگر اشیاء بھی ضرورت سے زیادہ ہیں۔ ایسے لشکرِ جرار کے مقابلہ میں ان غریب مسلم مجاہدین کی بے سرو سامانی پر غور کرو۔ ان ساری بے سرو سامانیوں کے باوجود اللہ کے بھروسے پر ہادیٔ برحق نے باطل کو مٹانے کے لیے کمر باندھی اور جاں نثارانِ اسلام کی جوشِ صداقت سے لبریز جماعت کو ساتھ لے کر کافروں کا مقابلہ کیا پھر تو وہ نقشہ تھا کہ دشمن کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی اور مسلمان انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے کہ اگر کسی کے پاس تلوار ہے تو نیزہ ندارد۔ اگر

کسی کے پاس نیزہ ہے تو تلوار نہیں۔ ہادیٔ برحق نے صفوں کو ترتیب دیا اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے تو اسی یقین محکم کے ساتھ حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔ دیکھا حمیدہ! یقین محکم کس قدر ضروری ہے۔ دُور کیوں جائیں۔ گھر میں تمہارے چچا زاد بھائی لطیف کی مثال لے لو۔ کس قدر محنت کرتا ہے۔ لیکن سال کے بعد امتحان میں بیٹھتا ہے تو فیل ہو جاتا ہے۔ جب پوچھتے ہیں تو کہتا ہے کہ بھئی میٹرک بہت مشکل ہے۔ میں ساری عمر بھی پڑھتا رہوں لیکن آٹھویں پاس کرنی مشکل ہے۔ لہٰذا چار سال متواتر فیل ہو کر آخر سکول کو خیرباد کہہ دیا۔

حمیدہ! بچوں کو ہر بات کے ساتھ تلقین کرنی چاہیے۔ کہ وُہ محنت کے ساتھ یقینِ محکم رکھیں۔ کہ جس کام کے لیے وہ محنت کر رہے ہیں وہ ضرور کامیاب ہو جائیں گے محنت کے ساتھ کامیابی کو اپنے دماغ میں جگہ دیں۔ تاکہ ان کی دماغی کیفیت میں شکست کا تخیل ہی نہ آئے۔ اور احساسِ کمتری میں مُبتلا ہوں۔ انشاءاللہ کسی دُوسرے خط میں انتخاب اور اس کے تاثرات پر روشنی ڈالوں گا۔

فقط تمہارا! انوار۔

خط نمبر ۱

حمیدہ خوش رہو

السلام علیکم۔

تمہارا ملفوف ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ تمہارے خط کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ میرے خیالات اب میرے ہی نہیں رہے بلکہ تمہارے ہی ہو گئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ تم بھانپ جاتی ہو کہ بچوں کے معاملہ میں اب آئندہ ہمیں کیا کیا احتیاط برتنی ہونگی۔ اور کیا کیا عملی اقدام کرنے ہوں گے جن سے بچوں کی تربیت میں آئے دن کسی نہ کسی اچھی بات کا اضافہ ہوتا رہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اور یہ اس کی مثال ہے کہ میں سوچوں اور آپ بھانپ لیں کہ میں اب کیا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی خیال لاشعور

بس نقش ہو جائے تو پھر وہ خیال ہر وقت انسان کے دل و دماغ میں
چکر لگاتا رہتا ہے۔ اور انسان کو ان خیالات کے مطابق چلنے پھرنے
اور کام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ بارہا دیکھا ہے۔ کہ اگر رات کو گاڑی
پر دو بجے سوار ہونا ہے۔ دس بجے کھانے پینے اور سامانِ سفر
باندھ ہو کر فارغ ہو گئے۔ اب اگر خیال ہے تو یہ کہ دو بجے گاڑی پر
سوار ہونا ہے۔ رات کا سفر ہے نہ معلوم گاڑی میں کیسی جگہ ملے لہذا
ذرا کمر کو سیدھا کر لیں بس دو گھنٹہ میں نیند پوری ہو جائے گی تاکہ سفر
میں تکان نہ ہو اور لمبی تان کر سو گئے۔ نہ چوکیدار نے جگایا اور نہ کسی گھر
والے نے جگایا پھر بھی ایک بجے۔ آنکھ کھل گئی اور ایسا معلوم
ہوا کہ جیسے کوئی دماغ میں بیٹھا ہوا ہماری رہبری کر رہا ہے۔ ہم آرام
سے گاڑی میں سوار ہو گئے۔ اب رہا میرے اور تمہارے خیالات کا
معاملہ حمیدہ! میرا اور تمہارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بظاہر دیکھنے
کو تو دو۔ لیکن حقیقت میں ہمارے دونوں جسموں کی روحیں اس قدر مل
گئی ہیں کہ اب اگر ایک جان و قالب کی مثال دیدی جائے تو بے جا
نہ ہوگا۔ پھر تعجب کا کیا مقام ہے ہمارے خیالات۔ ایک روحیں ایک

اگر ایک تحت الشعور سے دوسرے کے تحت الشعور تک ایک تار برقی لگی ہو اور ہم دونوں ایک ہی قسم کے خیالات میں منسلک رہیں۔ اور ایک دوسرے کے خیالات سینکڑوں میل دور ہوتے ہوئے بھی بھانپتے رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں حمیدہ تمہیں یاد ہو گا کہ ایک دفعہ تمہیں بخار ہو گیا تو میں نے تحریر کیا کہ نجانے میری روح اسقدر کیوں پریشان ہے۔ اپنی خیریت واپسی ڈاک سے تحریر کرو۔ اور بعد ازاں گھر سے والدصاحب کا خط ملنے پر معلوم ہوا کہ بخار تو ملیریا ہی کا تھا۔ لیکن بے حد پریشان کن دو روز بخار اور قے سے اس قدر پریشان رہی کہ تین مرتبہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ اب میری پریشانی حق بجانب تھی۔ کیوں کہ دو روحوں سے انفصال سے دونوں کے درمیان تار برقی جیسا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ جس سے میری روح پریشان ہو گئی۔ اور میں نے خط لکھ دیا۔ ادھر میں نے اتحاد کے متعلق سوچا اور تم نے بچوں کو اتحاد کے متعلق ترتیب دینے کے ذرائع پوچھے۔

حمیدہ! اتحاد ہی سے انسان اصل اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ کوئی قوم سربلند نہیں ہو سکتی جب تک وہ اتحاد

سے محروم ہے۔ کوئی ملک ترقی کے راہ میں قدم نہیں بڑھا سکتا تاوقتیکہ اس ملک کے عوام میں اتحاد نہ ہو۔ اتحاد کی ابتدا بچپن سے ہی ہوتی ہے اور مائیں اس کی ذمہ دار ہیں جس کی مثال میرا خیال ہے کہ آپ کے محلہ میں ابراہیم صاحب سے بہتر نہ ہوگی۔ گھر میں آئے اور بات بات پر چیخنے لگے کھانا کیوں نہیں پکایا، بچے کیوں شور مچا رہے ہیں۔ یہ چارپائی ادھر کیوں رکھی ہے۔ بیوی سے نالاں۔ اور بیوی ہے کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ اگر میاں نے ایک کہی بیوی نے دس سنائیں، پڑوسیوں کے کانوں تک شور پہونچا۔ گھر میں بچوں نے ماں باپ کی اس بری عادت سے ایسا برا سبق لیا کہ ماشاء اللہ سات بہن بھائی ہیں اور ہر وقت پانی پت کی تیسری لڑائی کا نقشہ گھر میں پیش ہے کوئی کہتا ہے ہائے مار دیا۔ کوئی روتا ہے ہائے میری ہڈی ٹوٹ گئی۔ توبہ توبہ گھر ہے کہ کوروکشیتر کا میدانِ جنگ۔ شور ایسا کہ مہابھارت کے لڑائی کی کوئی حقیقت نہیں۔ جو بڑے بچے ہیں وہ گلی محلہ میں ہر وقت دوسرے لڑکوں سے برسرِ جنگ —— بس ہائے دن کی دشمنی سے ابراہیم عدالت کے ہمیشہ چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اور تھانہ کچہری میں شیطان کی طرح

مشہور ہیں۔ گھر میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے گلی محلہ میں کہرام۔ لوگوں کو خواہ مخواہ کی پریشانی۔ گورنمنٹ کی مشینری بے جا طور پر مصروف۔ اللہ ایسے ماحول سے دشمن کو بھی بچائے۔ اس کے برعکس پھوپھا کبیر کو لے لو۔ ماشاء اللہ گھر میں بیوی اور چھ بچے۔ آمدنی قلیل۔ میاں بیوی میں اتحاد۔ گھر میں رونق۔ بچوں کے کپڑے اُجلے اور آپس میں اس قدر پیار محبت حمیدہ! تمہیں تو سب کچھ معلوم ہے ماں ہیں کہ آرام سے بیٹھی ہیں۔ لڑکیاں گھر کے تمام کام کاج خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہیں۔ لڑکے اپنی پڑھائی اور کھیل کود میں مشغول ہیں۔

حمیدہ! ایک کہاوت ہے جو تمہارے والد ہمیشہ دُھراتے ہیں۔ یعنی ایک اکیلا اور دو گیارہ ــــ جس کا مطلب ہے کہ ایک کو اگر دُوسرے ایک سے علیحدہ کر دیا جائے تو اس کی طاقت صرف ایک کی ہوتی ہے۔ اگر ایک کو دوسرے ایک کے ساتھ رکھ دیا جائے تو اس کی طاقت گیارہ کی ہو جاتی ہے۔

اُمید ہے کہ گھر میں اتحاد کی خو ڈالنے کے لئے وقتاً فوقتاً بچوں کو آپس میں پیار اور محبت سے رہنے ایک دُوسرے سے شیر و شکر

ہو کر کھیلنے کی تلقین دے کہ بچوں کی زندگی سدھارنے کی پوری سعی کرو گی خدا کرے ہمارا اصحاب اتحاد کے زریں اصول پہ کاربند ہو کر گھر میں، گلی محلہ میں۔ شہر میں ہر دلعزیزی حاصل کرے اور پھر پیاریانہ زندگی حاصل کر کے ملک و قوم کی خدمت کرے۔ اپنا اور خاندان کا نام روشن کرے۔ آمین ثم

بچوں کو پیار اور بڑوں کو سلام

تمہارا!

انوار

خط نمبر ۱۱

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم۔ خیریت موجود و خیریت مطلوب۔

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ حمیدہ! صابو کے متعلق یہ پڑھ کر کہ غلیل کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ اور جب ذرا وقت ملا تو فوراً پرندوں پر اپنا نشانہ ٹھیک کرنے چلا جاتا ہے اور نشانہ بھی ایسا اچھا ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت ایک بلی کہیں سے گھر میں آ گئی۔ صابو نے فوراً اپنی غلیل سنبھالی۔ ایسا تان کر غلا مارا کہ غریب بلی کی آنکھ نکل گئی۔ مجھے اس کے نشانہ بازی میں دسترس حاصل کرنے کی بے حد خوشی ہوئی۔ لیکن غریب بلی کی آنکھ نکال دینے کی اس

قدر کوفت ہوئی کہ اللہ کی پناہ۔ حقیقت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری آنکھ میں بھی درد ہو رہا ہے جیسے کسی نے غلیل سے غلّا مار دیا ہو۔ انسان کے لئے رحمدل ہونا اس قدر ضروری ہے جتنا بھیڑیئے کے لیے خونخوار ہونا۔ انسان کی سرشت میں رحمدلی بچپن سے پیدا ہوتی ہے۔ جو کہ اچھی ماں کی گاہے بگاہے تلقین کا ثمرہ ہے۔ نشانہ سیکھنا ایک فن ہے۔ یہ سپاہی کے لئے ضروری ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بلیسیوں غریب پرندوں کو خواہ مخواہ گزند پہنچاکر یا بلیسیوں بے زبان جانوروں کو تکلیف دے کر نشانہ میں مہارت حاصل کی جائے۔ نشانہ میں مہارت حاصل کرنے کو اور بہت سی ترکیبیں ہیں۔ گھر میں اتنا بڑا صحن ہے کہ جب بھی جاؤ میاں چاہیں کسی کاغذ پر نشان لگاکر دیوار پر چسپاں کر لیں اور جتنے غلّے چلانا چاہیں۔ چلائیں اور مہارت حاصل کریں ۔

حمیدہ! وہ بچے جو بچپن ہی سے رحمدلی کو اپنا شعار نہیں بناتے وہ اپنی زندگی میں کبھی اچھے سپاہی نہیں بن سکتے۔ اسلام کے عالم وجود میں آنے سے پہلے دوسری اقوام میں اگر کمی تھی تو صرف یہ

کہ وہ لوگ اوّل تو وحدانیت کے قائل نہ تھے۔ دُوسرے رحمدلی کے شعار سے کوسوں دُور تھے۔ غریب۔ امیر کے ظلم وستم کا شکار رہتا تھا رسمیں اس قدر گندہ تھیں کہ اپنی لڑکیوں کو خود موت کے گھاٹ اتار دیتے اور ذرا بھی ان معصوموں پر ترس نہ کھاتے تھے۔

رسُولِ کریم صلعم نے ایسے دور میں آکر صرف دو باتوں کی تلقین شروع کی۔ اوّل انسان اللہ کو واحد جانے اور دوئم انسان دوسرے انسان سے وہ سلوک کرے کہ جو وہ اپنے لیے دوسروں سے چاہتا ہے، اور رحمدلی کو اپنا شعار اس حد تک بنائے کہ انسان تو انسان رُوئے زمین کا ہر جاندار انسان کے ہاتھ سے امان پائے۔ اور بلا ضرورت انسان کسی جاندار کو اپنے تصرف میں نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ انسان کو ہر حال میں اور ہر بات میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے۔ پھر ہادیٔ برحق نے بات بات میں اعتدال کی تلقین فرمائی ہے۔ اس میں شک نہیں اللہ جلِ شانہٗ نے تمام کائنات بنی نوع انسان کے لیے بنائی اور حکم دے دیا کہ اب جس چیز کو چاہو اپنے تصرّف میں لاؤ۔ لیکن ضرورت کے موافق یہ نہیں کہ ایک چھٹانک

کی ضرورت ہو تو سپر بھر کو خراب کرو۔ یہ فضول خرچی میں شامل ہوگا۔ اسلام سپاہیانہ اصولوں پر رائج ہوا۔ اور اسلام نے شکار کے فن کو اہمیت دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اعتدال کی حد لگا دی۔ اس کا دل رحم دلی سے محروم نہ ہو جائے۔ شکار فن سپاہ گری کا ایک جزو ہے۔ لیکن اس کا غلط استعمال اس کی خوبیوں کو برباد کر کے بُرائیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔

"تاریخ اسلام میں عمرو بن العاص کا نام تو تم سے بھولا ہوا نہیں۔ قصے کہانیوں میں عمرو بن العاص کی بہادری کے قصے تمہیں یاد ہیں۔ آج رحمدلی کے متعلق تمہاری معلومات میں ایک اور کہانی کا اضافہ کر رہا ہوں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رحمدلی انسان کی دوسری صفتوں میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ تاریخ اسلام کا ایک واقعہ سُنو۔

اسلامی فتوحات کا دور دورہ ہے۔ عمرو بن العاص اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں کی جماعت کو لے کر بڑھ رہا ہے۔ ایک جگہ خیمہ زن ہوتا ہے کہ اپنے سپاہیوں کو ترتیب دے کر دشمن سے برسرِ پیکار ہو۔ جب کوچ کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ عمرو بن العاص کے خیمہ میں کبوتر نے گھونسلہ بنا کر انڈے دیدیے ہیں عمرو بن العاص کو معلوم ہوا تو فوراً حکم دے دیا

کہ خبردار خیمہ کو نہ اٹھانا۔ اس کو اسی طرح سے چھوڑ دو تاکہ غریب پرندہ تکلیف محسوس نہ کرے۔ دشمن پر یلغار کی اور فتح حاصل کر کے واپس اسی جگہ پر آئے جہاں پر خیمہ نصب کر کے چھوڑ گئے تھے۔ دیکھا کہ کبوتر نے انڈوں سے بچے نکال کر فراغت حاصل کر لی ہے اور بچے اڑنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ عمرو بن العاص کو اپنی فتح کی خوشی کے ساتھ کبوتر کا انڈوں سے بچے نکال کر پرورش کرنے کی بھی خوشی ہوئی۔ کسی شاعر نے اس واقعہ کو اس طرح منظوم کر کے واقعہ کے صحیح ہونے کی شہادت پیش کی ہے۔

عمر نے سن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا
کر دیا خیمہ ہبہ کہ میں نے کبوتر ہی کے نام
میرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے
میرے آرام پہ ہے اس کا مقدم آرام
ہو کبوتر سے جب اسلام کا ایسا برتاؤ
کیوں نہ یہ دین ہو دنیا کے لیے رحمت عام

لہٰذا اسی جگہ ایک شہر آباد کیا جس کا نام فسطاط رکھا جو اپنی تاریخی شان و شوکت دکھانے کے لئے آج تک دنیا میں اپنی کہانی کی وجہ سے مشہور ہے اور عمرو بن العاص اپنی رحم دلی کی اس چھوٹی سی کہانی سے ہمیشہ ہمیشہ بنی نوع انسان

کے لیے ایک مثال قائم کر گیا۔

حمیدہ : اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رحمدلی صرف بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات پر ختم نہیں بلکہ کسی بھی جاندار سے رحمدلی کا برتاؤ کیا جا سکتا ہے۔ سبکتگین جو کہ خاندانِ غلاماں کے دور میں ہندوستان کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ الپتگین کا غلام تھا۔ اپنی خداداد قابلیت اور سپاہیانہ صلاحیت کی بنا پر الپتگین کا جرنیل بنا۔ ایک روز شکار کی غرض سے جنگل میں نکلا، ایک ہرنی کے بچے کے پیچھے گھوڑا دوڑایا اور اس کو پکڑ کر گھوڑے پر سوار واپس آ رہا تھا۔ پیچھے گھوم کر جو دیکھا تو ہرنی ماتا کی ماری پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ فوراً رحم سے متاثر ہو کر ہرنی کے بچے کو چھوڑ دیا۔ سبکتگین کی یہ رحمدلی اللہ کو بہت ہی پسند آئی کہ ملک کا بادشاہ بنا دیا اور سبکتگین آج بھی تاریخوں میں اپنے اس قصہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ہادیٔ برحقؐ نے جتنی بھی لڑائیاں لڑیں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا کہ خبردار لڑائی کے وقت کسی بوڑھے۔ بچے اور عورت کو گزند نہ پہنچانا۔ اور نہ فصلیں تباہ کرنا۔ حتیٰ کہ کسی جانور کو بھی بلا ضرورت

تصرّف میں نہ لانا۔ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے یہ نصیحت فرمائی کہ مُسلمان ایک سپاہی ہے اور سپاہی کی دوسری صفتوں کے ساتھ رحمدلی بھی ضروری ہے میرا خیال ہے کہ رحمدلی کی تلقین صاؔلو میاں کو ایک اچھا سپاہی بنانے میں مؤثر ہو گی۔ دُعا ہے کہ اللہ ہر ماں کو یہ توفیق دے۔ کہ وُہ اپنے بچوں کو رحمدلی کے جذبے سے بھی مالا مال کریں۔

تمہارا!
انوار

خط نمبر ۱۲

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ بچوں کی کیفیت کے ساتھ صابو میاں کے متعلق یہ پڑھ کر کہ ماشاء اللہ گیارہواں سال لگ گیا ہے اور اس قدر شرمیلا ہے کہ کیا مجال منہ سے آواز سنائی دیتی ہو۔ پانچ دفعہ بلاؤ تو صابو میاں ایک دفعہ جواب دیتے ہیں۔ وہ بھی اس قدر آہستہ کہ وہ خود ہی سُن پائیں۔ ماسٹر صاحب کی شکل دیکھ کر اس قدر سراسیمگی طاری ہو جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کانپ رہے ہیں۔ پڑھنے میں ہوشیار۔ لیکن خواہ مخواہ اس قدر خائف رہتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ تھوڑے دن ہوئے گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے

تھے کھانا تیار ہُوا تو صابو میاں سے مہمانوں کے ہاتھ دُھلانے کو کہا گیا۔
اوّل تو جواب ہی نہیں دیا۔ پھر اصرار پر کہنے لگے۔ کہ امّی مجھے تو شرم
آتی ہے۔ آپا نصرت کو کہدو کہ وُہ مہمانوں کے ہاتھ دُھلا دیں۔ اور
کھانا بھی لے جائیں سبحان اللہ کس قدر شرمیلا لڑکا ہے۔

حمیدہ! تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ کہ بروقت صابو میاں
کے شرمیلے پن کی تعریف کر دی۔ اس قسم کا شرمیلاپن کوئی خوبی نہیں،
بلکہ بہت ہی بڑا عیب ہے جس کے متعلق میں اپنے خیالات کا اظہار
کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ ضروری تدابیر بروئے کار لاکر صابو میاں کو
اس بُرے عیب سے نجات دلاؤ گی۔ ورنہ کہیں احساسِ کمتری میں مُبتلا
ہو کر ہمارا صابو۔ بھی میاں ارشد نہ بن جائے جو کہ آج چالیس سال
برس کے ہونے کو ہیں۔ لیکن اپنی شرمیلی عادات جو کہ احساسِ
کمتری کا ثمرہ ہیں خالہ شلدو کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جس
کی ابتدا بچپن سے ہے اس کی سب ذمہ داری اُن کی والدہ پر
عائد ہوتی ہے۔ اُن کا بچپن ہمارے ہوش سنبھالنے سے پہلے گزر گیا
لیکن میری والدہ اُن کی بہت سی باتیں بتلا کر ہنسایا کرتی ہیں۔ مثلاً

ارشد میاں گھر میں اکلوتے ہونے کی وجہ سے گھر میں اور محلہ بھر میں
عجوبۂ روزگار بنے ہوئے ہیں۔ ذرا ارشد میاں کو نہلا دھلا کر کپڑے
پہنائے گئے تو ان کی ماں نے ماتھے پر سیاہی کا بڑا سا داغ لگا دیا اور نوکر کو
ہدایت کر دی۔ دیکھو۔ باہر کسی کے سامنے نہ لے کر جانا۔ بچہ کو نظر
لگ جائے گی۔ ذرا ہوش سنبھالنے پر ارشد میاں گلی محلہ سے گھوم
کر آئے تو والدہ نے فوراً سات مرچیں لے کر ان کے سر سے پاؤں
تک نظر اُتاری اور مرچوں کو جلتی آگ میں ڈال دیا اور گھر میں شور
مچایا گیا کہ دیکھا آج میرے بچے کو کسی کمبخت کی نظر لگ گئی ہے
اور ارشد میاں کو ہر وقت ہدایت کی جا رہی ہے کہ بیٹا فلاں راستہ
سے نہ جایا کرو۔ کیونکہ وہاں فلاں رام برہمن رہتا ہے۔ اس کی نظر پتھر
کو پھاڑتی ہے۔ بیٹا فلاں کے سامنے نہ آنا۔ اس کا سایہ بڑا خراب
ہے۔ بیٹا فلاں درخت کے نیچے سے نہ گزرنا بھوت پریت کا مسکن
ہے۔ غرض ہر بات میں ارشد میاں کو طرح طرح کے اوہام میں گرفتار
کر دیا اور ارشد میاں ہر چیز سے ڈرنے لگے اور جب ارشد میاں
بچپن سے نکل کر جوانی میں آتے تو کہیں پان کھانے کا شوق اور

کہیں کا جل لگانے کا شوق پیدا ہوا۔ احساس کمتری اسقدر کہ کیا مجال جو کسی بڑے کے سامنے ہوسکیں یا کسی ڈھنگ سے بات کر سکیں۔ تین بچوں کے باپ ہوگئے لیکن گزارہ والد کے ورثہ پر ہے وہ بھی آدھے سے زیادہ ختم کردیا۔ نہ بچوں کو تعلیم نہ گھر کا کوئی سلیقہ وقرینہ بہت تیر مارا تو شطرنج کی بازی لے بیٹھے۔ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ ایک دفعہ شبراتی میاں شراب کے نشے میں مدہوش شیخی بگھارتے ہوئے محلہ میں آئے اور خوب اودھم مچائی۔ گلی میں اتفاق سے کوئی بھی تو مرد ایسا نہ تھا جو کہ شبراتی سے پوچھ گچھ کرتا اور اُن کو نازیبا حرکتیں کرنے سے باز رکھتا۔ گلی میں کھڑے بچے اس کا منہ دیکھ رہے تھے۔ آخر میاں انور کو ان کی والدہ نے کہا کہ بیٹا گلی میں کہرام مچا ہے۔ جاؤ اپنے چچا کو بلا لاؤ تاکہ وہ اس بدتمیز شبراتی کو بکواس کرنے سے روکیں۔ اور انور صاحب بھاگتے ہوئے چچا کو ڈھونڈھنے نکلے۔ چچا نہ ملے تو فوراً چوراہے پر کھڑے ہوئے سپاہی سے بولے السلام علیکم۔ سپاہی کو بچہ کے سلام کا انداز پسند آیا۔ اور پوچھا۔ بیٹا کیا بات ہے؟ انور بولے۔

ہماری گلی میں شبراتی میاں شراب پی کر طرح طرح کا شور کر رہے ہیں. گالیاں بک رہے ہیں اور کسی کو پیٹنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ سپاہی انور کے ہمراہ چلا آیا۔ شبراتی میاں کو گردن سے پکڑ کر ہمراہ لے گیا۔ ساری رات تھانہ میں رکھا اور دوسرے دن پانچ سو روپے کی نیک چلنی کی ضمانت پر رہا کیا۔ جب شام کو لوگ اپنے گھر آئے تو یہ معلوم کر کے کہ انور میاں سپاہی کو بُلا کر لائے تھے بہت خوش ہوئے۔ ہر شخص نے کہا واہ واہ کیسی تربیت پائی ہے.

حمیدہ! دیکھا کہ شرمیلی عادات کا اثر لیکر بچے کس طرح سے تباہی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں. ہمیشہ بچوں کو اُٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے میں جرأت دلانی چاہیئے اور خاص کر بے بنیاد اوہام سے بچوں کو بچا کر احساس کمتری اور بزدلی سے بچانا چاہیئے۔ تاکہ وُہ دُوسری پیاپیارنہ صفتوں کے ساتھ ساتھ جرأت سے آراستہ ہو کر اپنی پیاپیارنہ زندگی میں چار چاند لگائیں.

بچوں کو پیار اور بزرگوں کو سلام

تُمہارا!

انوار

خط نمبر ۱۳

حمیدہ خوش رہو

السلام علیکم۔ "خیریت موجود و خیریت مطلوب"

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ حمیدہ! تمہاری طرزِ تحریر تمہاری بلند خیالی کا بیّن ثبوت ہے ماشاء اللہ تمہاری جدّت پسندی بھی بہت پسند آئی۔ میں نے اپنے پچھلے خط میں احساسِ کمتری کے متعلق لکھا تھا اور آپ نے جواباً لاف زنی کی بُری عادت کا ذکر کر دیا۔ حمیدہ! اگر ہماری دِن رات کی کوششیں بر آئیں۔ تو کوئی مشکل نہیں ہے کہ

؎ دو گام چلوں منزل کے لیے اور سامنے منزل آجائے

دُعا ہے۔ اللہ ہمارے مصمم ارادوں اور خیالات میں اس قدر

وسعت دے کہ بقول اقبالؒ ؎

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

حمیدہ گھبرانے کی ضرورت نہیں جب سے ہم دونوں نے بچوں کی بری عادات کے تدارک کا تہیہ کر لیا ہے میری روح کو کافی سکون ہے۔ ادھر میں تمہیں اپنے خیالات سے آگاہ کرتا ہوں۔ اُدھر تم اپنے حُسنِ سلوک اور احسن تدابیر سے گھر میں بچوں کو بُری عادات سے پاک کرتی ہو۔ وہ دن دور نہیں کہ ہمارے بچے بہترین سپاہیانہ زندگی کا نقشہ پیش کریں اور خدا کرے عابو میاں ملک کے بہترین سپاہیوں کی صفِ اول میں شمار کیے جائیں۔ جس سے ہمیں اطمینان ملے۔ ملک وملت کا نام بلند ہو۔

حمیدہ! اگر ہم نے اس شعر کو اپنا شعار بنایا ؎

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ
ہوگیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

انشاء اللہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ کر انسانی زندگی میں ہم ایک

ایسا انقلاب برپا کردیں گے جس انقلاب کی آج ملک اور قوم کو اشد ضرورت ہے۔ حمیدہ! لاف زنی کی بری عادت کا ذکر تم نے برمحل کیا ہے۔ لاف زنی کی ابتدا بچپن سے ہی ہوتی ہے جس کو شروع شروع میں والدین بچوں کی شوخی پر محمول کرتے ہیں۔ اور جب ذرا بڑے ہوئے تو بچپن کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہوش سنبھالنے پر یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے اور پھر مشکل سے ہی بدلی جا سکتی ہے۔ عموماً بچے اس بری عادت سے متاثر ہو کر اپنی تمام صلاحیتوں کو برباد کر لیتے ہیں دور کیوں جائیں اپنے محلہ میں میاں نیاز کو دیکھ لو۔ جوں توں کر کے دسویں پاس کی ہے جسیم ہے ماشاء اللہ گھر سے بھی کھاتا پیتا ہے۔ لیکن بچپن سے ہی لاف زنی کی بری عادت میں گرفتار ہے۔ اور ہر خاص و عام میں شیخی خورہ اور جھوٹا مشہور ہے۔ چھچھوندر سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ نام لو تو کپکپی شروع ہو جاتی ہے لیکن جب بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ واہ صاحب ہم پچھلے سال شکار کو گئے تو جنگل میں شیر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ہمارے پاس بندوق تو تھی بس سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور شیر کو ایک بھی تو قدم چلنے کی مہلت نہ دی۔ اس معاملہ میں

رمضان بھائی بڑے کائیاں ہیں فوراً بولے۔ میاں نیاز بندوق میں کارتوس کون سے تھے اور شیر کتنی دور تھا پھر شیر تو میاں ترائی کے جنگل میں ہوتا ہے۔ بنگال کے سندربن میں ہوتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں ممکن ہو سکتا ہے ہمارے ہاں سخت گرم علاقہ اور بیسیوں میل ریت کے ٹیلے چلے جاتے ہیں پھر یہاں شیر کہاں سے آیا۔ تو فوراً نیاز صاحب سنبھلے کیونکہ شیخی بگھار بیٹھے تھے۔ لہذا نبھانے پر مجبور تھے۔ کہنے لگے "واہ صاحب ہماری بندوق میں چھ نمبر کے کارتوس ڈالے ہوتے تھے۔ شیر ہم سے کوئی پانچ سو گز دور تھا۔ اور ہاں تین چار سال ہوئے یہاں پر ایک سرکس آیا تھا۔ جہاں سے ایک شیر چھوٹ گیا تھا اور وہی مارا مارا پھرتا تھا۔ بس میاں اس کی قضا ہمارے ہاتھ تھی کہ مار دیا چلو چھوڑو پرانا قصہ ہے اور تو اور ایک دفعہ دہلی میں چچا بشیر کے ہاں دو چار روز کے لیے سیر کو آئے تو یار دوستوں کے ساتھ تفریح کو نکلے۔ اگرسین کی باؤلی پر چلے گئے اور وہاں لڑکوں کو دور دور سے باؤلی میں چھلانگیں مارتے دیکھا۔ فوراً بولے ہمارے پاس لنگوٹ نہیں ہے ورنہ ہم چھلانگ لگا کر دکھا دیتے کہ ہم کتنی بلندی سے کودتے ہیں ایک صاحب چونک کر لنگوٹ

اتار چکے تھے" کہنے لگے" میاں لنگوٹ حاضر ہے لیجئے شوق پورا کیجئے
اب نیاز صاحب بوکھلائے اور کہنے لگے' صاحب آپ کا لنگوٹ
ہمیں ٹھیک نہ آئے گا" دوسروں نے کہا" واہ یہ تو کوئی بات نہیں
ماشاء اللہ دونوں ہم عمر اور ایک ہی جیسا جسم ہے۔ نیاز صاحب پلٹے
کہ میاں گھر سے جلد ہی واپس ہونے کا وعدہ کر کے آئے ہیں۔ اب اگر
یہاں پر نہانا شروع کر دیا تو دیر ہو جائے گی۔ چلو پھر کبھی آ جائیں گے۔
یارانِ طریقت بھی دُور کی بھانپتے ہیں۔ سمجھ گئے کہ اندر سے خالی ہیں،
بس شیخی ہی شیخی ہے۔ فوراً فقرہ چست کیا" اجی صاحب شوقین لوگ
ایسے حیلے بہانے کر کے میدان سے تھوڑا بھاگتے ہیں بھئی چار چھلانگیں
نہ لگانا چلو ایک ہی چھلانگ لگا کر ذرا اپنے فن کا مظاہرہ کر دو تاکہ
ہمارا بھی دل رہ جائے۔ کیا یاد کریں گے کہ ہمارے شہر میں کوئی صاحب
پیر کو آئے تھے۔ اب کیا تھا نیاز صاحب پہلے بغلیں جھانکتے رہے۔ پھر
شرمندگی کی وجہ سے ادھر اُدھر کے حیلے بہانے شروع کیے اور جب
کوئی حیلہ بہانہ نہ چلا تو موت و زندگی سے بے نیاز ہو کر غصے میں آ گئے۔
اور کپڑے کھول لنگوٹ باندھ باؤلی کی دوسری سیڑھی پہ جا کھڑے

ہوئے۔ یارانِ طریقت تماشہ دیکھنے کے شوق میں بے تاب تھے فوراً
بولے میاں چھلانگ لگا رہے ہو یا ابھی پانی کا رنگ دیکھ رہے ہو
کہ کالا ہے یا پیلا۔ میاں دیکھتے نہیں کہ لوگ کہاں کہاں سے کودتے
ہیں اور آپ پانی کے قریب ہی جاکر کھڑے ہو گئے۔ ذرا اِسّی،
پچاس گز کی بلندی سے کودو تو جانیں کہ ہاں فن میں اُستاد ہو۔ نیاز
صاحب ہیں کہ شرمندگی سے پسینے آ رہے ہیں اور پانی کے خوف
سے دل دھلا جا رہا ہے مجبوراً یہ کہہ کر میاں تمہاری خوشی کی ہے۔
ہم تو صرف پانی کو ہاتھ لگا رہے ہیں۔ ورنہ اس وقت ہماری طبیعت
نہیں کرتی کہ نہائیں۔ یا چھلانگ لگائیں۔ لیکن یاروں نے پہلے
ہنسی ہنسی میں اڑایا اور پھر دو چار پھبتیاں کہیں۔ کہ نیاز صاحب آنکھیں
بند کر کے باؤلی میں داخل ہو گئے۔ ساری زندگی میں کبھی کنواں باباؤلی
میں نہائے نہیں۔ کسی تالاب میں کودے نہیں۔ تیرنے کی مشق نہیں
پانی میں جاتے ہی لگے اُلٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارنے۔ اور پھر غوطے
کھانے لگے۔ بھلا باؤلی میں بے اندازہ پانی جس کی گہرائی بڑے بڑے
تیراک بھی معلوم نہ کر سکے۔ یہاں پر میاں نیاز کے پاؤں زمین پر کیسے

لگ سکتے تھے۔ بہرحال یاروں نے فوراً پانی میں کُود کر نیاز صاحب کو پکڑنا چاہا تو نیاز صاحب جو اپنے ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھے تھے فوراً گلے کا ہار ہو گئے کہ مدد کرنے والے بھی ڈوبنے لگے۔ تیسرے صاحب نے موت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ایک رسّے کا پھندا بنایا اور نیاز صاحب کے گلے میں پھنسایا اور مانند مُردے کے پانی سے نکالا۔ اور دوسرے صاحب بمشکل تمام پانی سے باہر نکلے۔ نہ پوچھو یارانِ طریقت کا ہنسی کے مارے کیا حال ہُوا۔ اور ادھر نیاز صاحب ہیں کہ بدحواس ہونیکی وجہ سے پیٹ میں کچھ پانی چلا گیا۔ خوف و ہراس سے اس قدر نڈھال ہیں کہ ہر طرح سے کوششیں ہو رہی ہیں کہ کسی طرح ہوش میں آ جائیں لیکن آنکھ نہیں کھولتے۔ اللہ اللہ کر کے آنکھیں کھولیں ذرا ہوش سنبھالا تو بمشکل تمام گھر لائے گئے۔ دوسرے روز پھر لاف زنی۔ اگہ جیبن کی باؤلی میں نہانے کا مزہ آ گیا۔ ابجی ہم نے چھلانگ لگائی تو لوگ عش عش کرنے لگے اتنی بلندی سے جب ہم کُودے ہیں۔ تو دیکھنے والے کہتے تھے کہ بالکل تارا ٹوٹے ہُوئے پانی میں کودے اور طرّہ یہ کہ اس قدر بلندی سے کُودنے پر بھی نہ پانی کی چھینٹیں اڑیں۔

اور نہ کوئی آواز آئی۔ صاحب ہم نے مدتوں ریاض کے بعد یہ فن حاصل کیا ہے پاس ہی دوسرے کمرے میں چچا بشیر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور نیاز میاں کی شیخیاں سن رہے تھے کیونکہ لوگوں نے چچا بشیر سے سارا قصہ جوں کا توں کہہ سنایا تھا۔ اور چچا بشیر ناخوش تھے کہ مہمان ہے اور دو چار روز میں چلا جائے گا کیا کہیں۔ فوراً بول اُٹھے ہاں صاحب نیاز میاں چھلانگ لگانے کے بعد مُردے کی طرح آپ کو ہی نکالا گیا تھا۔ بس نیاز صاحب کا نہ پوچھو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا ہو۔ گھڑوں پانی پڑ گیا ہو چپکے سے اُٹھے اور باہر چلے گئے۔

جمیلہ! بچوں کو ہمیشہ لاف زنی سے روکنا چاہیئے کہ اس کے نتائج بہت خراب ہیں اور آئندہ زندگی پر اس کا کتنا بُرا اثر پڑتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ ہر ماں کو توفیق دے کہ وہ اپنے بچوں کو لاف زنی کی بُری عادت سے بچاتے۔

بچوں کو پیار۔

تمہارا انور۔

خط نمبر ۱۴

میرے دِل کی محرم حمیدہ!

"خیریت موجود و خیریت مطلوب"

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ بچوں کی صحت طور واطوار اور گھر کی صفائی کے متعلق اطلاع پاکر طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ معلُوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ہمیں جیتے جی ہی اپنی رحمت سے جنت کا نقشہ دِکھا دیا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اور جنّت میں کیا ہوگا جہاں تک انسانی سکون کا تعلق ہے۔ وہ ہمیں ہر بات میں نصیب ہے، اللہ کے فضل سے تم جنت کی حُور سے کم نہیں ہو۔ بچّے صاف سُتھرے۔ گھر میں ہر طرح سے رونق ہے۔ کسی چیز کی کمی محسُوس نہیں

ہوتی۔ سُنا ہے۔ کہ جنّت میں دُودھ کی نہریں بہتی ہیں۔ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ جو چاہے کرے۔ کیا ہماری گائے اور دو بھینس دُودھ کی نہریں نہیں ہیں۔ شاید ہمارے گھر کی صفائی اور روزمرہ کا کام وقت پر سرانجام دینے سے صرف ہماری حالتوں میں ہی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے جانوروں میں بھی ہر طرح سے فرق آگیا ہے۔ گائے بھینس بیل کس قدر فربہ اور صاف ہیں کہ ہر شخص کی نظر پڑتی ہے۔ ہمارے پڑوسی غلام قادر صاحب یہاں آئے تھے میرے پاس دو روز رہے اس دوران میں جب بھی سلسلہ گفتگو شروع ہوا انھوں نے بڑی انکساری سے میرے شکر گزار ہونے کا اظہار کیا۔ آخر جب مجھ سے نہ رہا گیا اور پوچھا کہ اس قدر شکر گزار ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمارے پڑوسی ہیں۔ گاؤں کے بڑے زمینداروں میں آپ کا شمار ہے جو کچھ بھی میں نے آپ کی خورد و نوش کا انتظام کیا ہے۔ وہ صرف فرضِ منصبی سمجھ کر کیا ہے۔ کہنے لگے جناب آپکے اس حسنِ سلوک سے تو جو کچھ مجھ پر اثر ہوا سو ہوا بندہ تو آپ کے گھر کی صلاحیتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے آپ کے گھر کی ہر

ہر بات کو اپنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ماہ میں میرے گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ خدا شاہد ہے پہلے میرے گھر میں اس قدر تعفّن تھا کہ کہیں گوبر کا ڈھیر ہے تو ہفتوں پڑا ہے۔ مکھی مچھر اس قدر کہ خدا کی پناہ۔ گھر میں ہر شخص کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا جاتو رنگ لاغر۔ بیل ہیں کہ اگر دو بیگھہ زمین جوتتے ہیں تو کندھا ہارے جارہے ہیں۔ گائے۔ بھینس ہیں۔ کہ اتنی خوراک دینے پر بھی دودھ ہے تو کم۔ مکھن ہے تو برائے نام۔ نہ کھانے پینے میں مزہ اور نہ پیسے میں برکت۔ بہر حال میں نے آپکے گھر کی خوشحالی کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح سے اپنے گھر میں بھی عمل شروع کیا۔ جس کے نتیجہ پر آج اپنے گھر میں خوشحالی پاتا ہوں۔ اب نہ بیماری ہے۔ اور نہ کسی چیز میں بے برکتی۔ اور حقیقت میں جنت کا مزہ پاتا ہوں۔ وہ باتیں کرتے گئے اور میں چپکا سنتا رہا۔ اور رہ رہ کر اللہ کا شکر کرتا رہا کہ تو نے مجھے توفیق دی جس سے میرا ہی گھر جنت نشاں نہیں بنا بلکہ پڑوس والے بھی تقلید کرنے لگے۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو میں نے آہستہ سے عرض کی کہ حضرت یہ سب آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ میں اس قابل کہاں جو

اس قدر تعریف کی جائے۔ بہر حال کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ تمام عادات ہیں میری اور میرے گھر والوں کی آپ کو کون سی عادت پسند آئی ہے کہنے لگے ویسے تو آپ کے ہاں کی تمام باتیں قابلِ تعریف ہیں مگر آج کا کام کل پر نہ چھوڑنے کی عادت تو بے حد پسند آئی۔ انسان کی کاہل وجودی کی اصل بنیاد اگر ہے تو آج کا کام کل پر چھوڑنا ہے جس سے رفتہ رفتہ گھر کا سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر تمام کام وقت پر کیے جائیں تو ہر شخص کو اپنے کام کا احساس رہتا ہے۔ ہر کام بخیر و خوبی سر انجام پاتا ہے اپنی جائز مصروفیات سے انسان بہت سی عادتوں سے بچتا ہے مثلاً نکتہ چینی، چغلخوری کاہل وجودی وغیرہ وغیرہ یہ سب "آج کا کام کل پر چھوڑنے" کی بری عادت کے ثمرے ہیں، حقیقت میں آپ پکے پیا ہی ہیں اور یہ سب کچھ پیا ہیانہ زندگی کی بدولت ہے جس سے آپ نے ہی خوشی حاصل نہیں کی بلکہ آس پاس کا ماحول بھی بن گیا۔ وہ چلے گئے اور میں گھنٹوں یہ شعر گنگناتا رہا۔ ؎

دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے،
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے،

حمیدہ! انسانی زندگی ایک کتاب کے مانند ہے۔ اگر کتاب کا کوئی ورق پھاڑ دیا جائے تو کتاب کا مفہوم ہی باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی انسان میں کوئی خراب عادت سرایت کر جائے۔ تو اُس انسان کی تمام صفات پر پانی پھر جاتا ہے۔ آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ اَے پروردگار ملک کا ہر فرد ہمہ صفت موصوف کہلانے کا شرف حاصل کرے۔ تاکہ ملک و قوم اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بنا پر فلاح و بہبودی کے راستہ پر گامزن ہو۔ آمین ثم آمین
اُمید ہے کہ خط کے جواب میں تاخیر نہ ہوگی۔

خدا حافظ
تمہارا انوار

خط نمبر ۱۵

حمیدہ جی سلامت باش

تمہارے خط میں اپنے خیالات کی تردید اور کچھ تنقیدی نکات پڑھ کر از حد مسرت ہوئی۔ تمہاری بلند خیالی سے متاثر ہو کر فوراً منہ سے نکل گیا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

حمیدہ! تمہارا یہ کہنا کہ بچوں کی بری عادات کی تمام ذمہ داری ماں پر عائد ہوتی ہے تو کیا باپ بچوں کے معاملہ میں بالکل بری الذمہ ہے۔ بالکل حق بجانب ہو۔ یہ ایک راز ہے۔ آج انشاء اللہ اس راز پر روشنی ڈال کر تمہارے شبہات دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور بعد ازاں تمہارے دریافت کردہ سوال کا جواب دونگا

حمیدہ! ہمارا ایمان ہے کہ قرآن ایک جامع واکمل کتاب ہے اور قرآن کی رو سے آدم کی تخلیق پہلے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ حضرت آدمؑ کو اپنی خلافت کا منصب عطا فرمایا تھا۔ مگر حضرت حوّا کو ان کا شریک زندگی بنا کر منصب خلافت میں بھی ان کا ایسا برابر کا شریک بنا دیا جس طرح امور مملکت کے سنبھالنے میں بادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم گویا برابر کا شریک ہوتا ہے۔ بلکہ بادشاہ سے کچھ زیادہ ہی ذمہ داری اس کے وزیر اعظم پر ہوتی ہے۔ غرض امور خلافت کی انجام دہی میں حضرت حوا بھی حضرت آدم کی شریک نہ ہوتیں تو حضرت آدم تنہا اتنی بڑی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے تھے تاکہ وہ پیاہمیانہ زندگی کا مظاہرہ کر کے اللہ کا خلیفہ ہونے کا شرف حاصل کر سکیں لہذا معلوم ہوا کہ خانگی امور اور بچوں کی تربیت میں مرد عورت کے لیے صرف مددگار ہے اور اقرار واقعی طور پر عورت کے لیے تمام ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے جس کی عورت کو ضرورت ہو۔ باقی پیدائش سے لے کر سن بلوغ تک تعلیم کی ذمہ داری صرف عورت پر ہے جیسے اینٹیں کسی کے

بنائیں۔ لکڑی کا کام کسی نے سنبھالا۔ گارا اور اینٹیں اٹھانے کا کام کسی نے کیا۔ اینٹوں کو ترتیب دے کر کسی نے رکھا اور جب مکان بن گیا۔ تو مکان پر کتبہ اشرف صاحب کا لکھ کر لگایا گیا (اشرف بلڈنگ)

اسی طرح میں نے بھی اپنی محنت و مشقت سے روزی کمائی کہ تمہارے اور بچوں کے لیے خورد و نوش اور رہنے سہنے کی ضروریات زندگی مہیا کر دیں اور تمہیں فرضِ منصبی سے آگاہ کر دیا کہ مکان کی پختگی کی طرح بچوں کو تمام اوصافِ حمیدہ سے آراستہ کرو تاکہ جہاں لوگ میرے نام کا مظاہرہ کریں۔ کہ فلاں کا لڑکا ہے۔ وہاں تمہاری گود اور تربیت کا بھی اظہار ہو کہ کسی اچھی ماں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ہاں حمیدہ! کیا لکھا تھا کہ صابو میاں کو غیبت کے معاملہ میں کافی سے زیادہ سمجھایا گیا ہے۔ بہت اچھا کیا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جب تک کسی بات کا عملی طور پر مظاہرہ نہ کیا جائے گا۔ زبانی تعلیم کوئی اثر نہ کرے گی۔ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ میں چھٹی کے دوران اپنی بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں۔ صحن میں صابو میاں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ نصرت۔ عشرت۔ شفقت۔ سراج الحق (ساجو)

سب موجود ہیں۔ اور گھر کی گھڑی صابو بیاں تمہارے کان میں آ کہ کچھ نہ کچھ کہہ جاتے ہیں۔ جس پر کبھی تم ہنس دیتی ہو اور کبھی کسی بچہ پر ناراضگی کا اظہار کرتی ہو۔ کہ نصرت تم نے ایسا کیوں کہا۔ یا ساجو ایسا کیوں کیا۔ اور جب میں نے اس بات پر صابو کو ٹوکا کہ بیٹا یہ کانا پھوسی کی عادت اچھی نہیں ہے۔ غیبت اس بُری عادت کی جڑ ہے تو تم برہم ہو گئیں۔ توبہ بچے بھلا غیبت کیا جانیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ بچے اس عادت کے اثرات سے بے خبر ہیں لیکن بڑے ہو کر یہ عادت جب گھر کر جاتی ہے تو افیون کی طرح سے نشہ دیتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم صابو اور دوسرے بچوں کو ان تاثرات سے بچانا ہے۔ تاکہ ان کی سپاہیانہ زندگی پر کوئی ایسا داغ نہ آجائے اور ہمیشہ ہمیشہ کف افسوس ملنا پڑے۔

اُمید ہے۔ لگا ہے بگا ہے بچوں کو کانا پھوسی۔ اور غیبت سے باز رکھنے کی کوشش کرو گی۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ اپنے حبیب کے صدقے ہر مسلمان بچہ یا بچی کو سپاہیانہ زندگی کی توفیق دے اور تمام بری عادات خاص کر غیبت کی عادت

سے بچائے۔ آمین ثم آمین

بچوں کو پیار۔ بزرگوں کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔

تمہارا!

انور

خط نمبر ۱۶

## حمیدہ خوش رہو

السلام علیکم

تمہارا خط ملا حمیدہ بقول شاعر

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

صابو میاں میٹرک میں فیل ہو گئے اور تین دن کے بعد کھانا کھایا اور پھر اب نہ باہر نکلتے ہیں اور نہ کسی سے بولتے چالتے ہیں۔ کسی حد تک ٹھیک ہے۔ صابو نے سال بھر محنت کی اور ہر لحاظ سے اپنے ہمراہیوں میں پیش پیش رہا اب اگر اس کو صدمہ کیوں نہ ہونے لگا پھر ماشاء اللہ بچہ تو نہیں ہے۔ گھر کے حالات اور والد کی آمدنی سے بخوبی واقف ہے۔ انہی خیالات سے متاثر ہو کر وہ خاموش رہتا ہے

اور کسی سے بولتا چالتا نہیں۔ لیکن حمیدہ یہ بڑا نازک موقع ہے۔ اگر تم نے اپنی احسن تدابیر سے کام نہ لیا تو بچہ ہمت ہار دے گا پھر زمانہ کی کجروی نہ معلوم غریب کو کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھلائے۔ دیکھنا موقع کو ہاتھ سے ہرگز ہرگز نہ جانے دینا۔ اور فوراً صابو میاں کی ہمت بڑھانا۔ اور کھلے لفظوں میں بتا دینا کہ اگر مستقل مزاجی کو ہاتھ سے چھوڑا۔ منزل دور ہو جائے گی۔ شکست انسان کے لیے فتح کا پیش خیمہ ہے شکست کے بعد ہی تو مستقل مزاجی جنم لیتی ہے اور انسان اپنے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ دنیا ایک میدانِ عمل ہے اور اس میں رہنے والا ہر فرد سپاہی ہے۔ اگر سپاہی شکست سے ڈر گیا تو پھر فتح کون حاصل کریگا یہ سپاہی کی شان کے خلاف ہے۔ ماشاءاللہ ہمارا صابو ایک سپاہی ہے نہ معلوم اس میدانِ عمل میں کتنی دفعہ کودنا پڑے گا۔ خدانخواستہ میرا مطلب ہر مرتبہ شکست سے نہیں۔ میرا مطلب ہر عمل میں کامیابی حاصل کرنے کا ہے۔ اب اُس کے لیے صابو میاں کو کتنی بھی جدوجہد کرنی پڑے لیکن اُس کا نقطۂ نظر فتح و کامیابی ہو۔ صابو میاں کو رابرٹ بردس تو یقیناً معلوم ہو گی۔ نہ معلوم کتنی مرتبہ سکاٹ لینڈ

کا بادشاہ انگریزوں سے سات مرتبہ شکست کھا کر جب غار میں اپنی
جان کے خوف سے چھُپ گیا اور ہمت ہارنے لگا تو ایک مکڑی
کو دیکھا کہ جالا بُن رہی ہے لیکن اونچائی کی وجہ سے چڑھتی ہے اور گر
جاتی ہے۔ رابرٹ بروس نے دیکھا کہ ایک ناتواں جانور بیسیوں
دفعہ گرنے پر بھی اپنی ہمت نہیں ہارتا اور آخر کامیاب ہو جاتا ہے
رابرٹ بروس کی کھوئی ہوئی ہمت واپس آگئی اور مستقل مزاجی نے
اُس کا ہاتھ پکڑا اور از سر نو اپنی فوج کو اکٹھا کر کے ترتیب دی۔ نقطۂ
نظر کامیابی اور فتح رکھا۔ آخر میں فتح حاصل کی۔ اور ہر مرد مجاہد کے لیے
ایک سبق چھوڑا۔ کیا صابو میاں اپنی ایک دفعہ کی شکست سے
ہمت ہار رہے ہیں۔ حمیدہ! اگر صابو نے ہمت ہار دی تو اس کا
بوجھ صرف تمہاری گردن پر ہو گا۔ جس کو اللہ جل شانہ، کبھی معاف
نہ کرے گا۔ صابو کی ہمت بڑھاؤ اور دوبارہ میدانِ عمل میں بروئے کار
آنے کی ترغیب دو۔ ورنہ کہیں فتح محمدؐ کی مثال نہ ہو جائے۔ ہمارے
محلہ کا ہر فرد اچھی طرح سے جانتا ہے اور فتح محمدؐ کی بجائے فتّو کے
نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ باپ امیر آدمی۔ گھر کی زمینداری۔ والد

کو پڑھانے کا شوق. فتح محمد سکول میں محنتی اور ذہین تھا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ دسویں کے امتحان میں بیٹھا اور فیل ہو گیا. فیل ہونے پر فتح محمد کو رنج ہونا از بس ضروری تھا. رنج میں رونا شروع کیا. کھانا کھانے سے انکار کیا. باہر ہم عمروں میں جانے سے شرمندگی محسوس کی. ماں نے مامتا سے متاثر ہو کر فتح محمد کی حوصلہ افزائی اس طرح سے کی. کہ بیٹا فیل ہو گیا ہے بڑا افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے اگر سو پچاس روپے رشوت دے کر پاس ہو سکتے تو آج ہی دے کر پاس کرا لیتے. بہرحال اب اگر نہیں پڑھو گے تو کیا روٹی کا گھاٹا ہے. اللہ کا فضل ہے. باپ دادا کی جائیداد کافی ہے. بیٹھ کر کھاؤ گے تو ساری عمر کم نہ ہو گی. کیوں گھبراتے ہو. اُٹھو کھیلو کودو. لعنت بھیجو سکول پہ میرے بچہ کی آنکھوں میں روتے روتے حلقے پڑ گئے اور پھر چپکے سے دس روپیہ کا نوٹ ہاتھ میں دیا اور ہدایت کی. جاؤ اپنے ساتھیوں کو لے کر پکچر دیکھ آؤ اور کسی سے دبنے کی ضرورت نہیں. ایک کی جگہ چار خرچ کرو. باپ بیچارہ کچھ دن فتح محمد کی طرف سے رنجیدہ رہا اور کئی دفعہ سکول جانے کو کہا لیکن

والدہ کی مدد اور رشتہ فتح محمد کے لیے کافی تھی بگڑ گیا اور صاف جواب دیدیا بس اب پڑھنے کو خیال نہیں چاہتا۔ بیچارہ باپ خاموش ہو گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد فتح محمد صاحب جن کا شمار نہ پڑھے ہوؤں میں تھا اور نہ ان پڑھوں میں۔ زمینداری کے کام میں لگائے گئے۔ زندگی کا بہترین وقت سکول میں کٹا اور سیانے ہونے پر ہل پکڑنا پڑا۔ اوپر سے آسمان گرم نیچے سے زمین اک مصیبت بن گئی۔ کبھی کنے سننے سے چلا گیا اور نہ کبھی کبڈی میں ہے۔ تو کبھی تاش میں وقت گزرنے لگا۔ آخر فتح محمد سے صرف فتو میاں رہ گئے اور بقول سے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ اِدھر کے رہے اور نہ اُدھر کے رہے

اب رہا میری آمدنی کا احساس۔ حمیدہ! میری آمدنی اور گھر کے خرچ و اخراجات کے متعلق صابو میاں کا سوچنا اور اس سے متاثر ہونا اس وقت بالکل بے جا ہے۔ تمہاری احسن تدابیر اور ہر بات میں اعتدال برتنا۔ نہ آج تک کوئی بات گراں گزری ہے اور نہ آگے کو گزرے گی اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ اس تھوڑی سی آمدنی میں بھی گھر میں ہر چیز

موجود ہے۔ کسی کا مقروض نہیں۔ اس کی پڑھائی کے اخراجات کوئی
نئے نہیں ہیں جس طرح سے آگے چلتے آئے ہیں اسی طرح انشاءاللہ
چلتے رہیں گے۔ بے وقت سوچنے کی بجائے صابو میاں اگر حقیقت
کی نظر سے سوچیں تو ان کو احساس ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی زندگی میں
کامیاب ہو کر میری آمدنی کا احساس کریں اور اپنی قابلیت اور علم و ہنر
کی روشنی سے میرے نام کو بھی روشن کر دیتا تاکہ آنے والی نسلیں جہاں
اُن کے سپاہی ہونے پر فخر کریں وہاں کبھی کبھی مجھے بھی یاد کر لیا کریں
ہاں سپاہی باپ کا سپاہی بیٹا۔ باپ کی آمدنی اس قدر قلیل تھی کہ
بیٹے کو اپنی احسن تدابیر سے اس منزل پر پہنچا دیا کہ بیٹے کی آمدنی
ہزاروں روپے ماہوار ہے جہاں چھوٹے سے مکان پر اکتفا تھی
آج باپ بیٹے کی بدولت کوٹھیوں میں رہ رہا ہے۔ دنیا کی کوئی
آسائش ایسی نہیں جو مہیا نہ ہو۔ والسلام

فقط تمہارا ——

انوار ——

خط نمبر ۱۷

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم

تمہارا خط نویدِ عید لایا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کیا۔ جس نے ہمارے ارادوں میں اُمید و ہمّت کی کرنیں چمکائیں۔ منزل مقصود کا رستہ دکھلایا۔ حمیدہ وہ دِن دُور نہیں کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہماری دِن رات کی ان تھک کوششیں ہمیں اوجِ ثریا پہ پہنچائیں جہاں پر ہمارے جسدِ خاکی سے علم و ہنر کے نُور کی کرنیں رُوئے زمین پر چمکیں دُنیا کی ظلمتیں صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں اور انسان انسانیت کا اصل جامہ پہن کر اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دے۔

آمین ثم آمین

حمیدہ! خدا کرے ؎

دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

یہ پڑھ کر صابو نو ماہی امتحان میں اپنی کلاس میں اوّل آیا۔ اِس سال کھیلوں کے مقابلوں میں تین میڈل حاصل کیے۔ اور ہر وقت پوچھے پر کہتا ہے۔ اماں دیکھتی جاؤ انشاء اللہ اس سال سالانہ امتحان میں بھی اوّل آؤں گا۔ پچھلے سال میں اپنی غلطی سے فیل ہوا تھا۔ حساب اور انگریزی کے پرچے ایک آگے بیٹھے ہوئے ہم جماعت کے پرچوں سے نقل کیے تھے۔ حالانکہ اگر نقل نہ کرتا تو ضرور پاس ہو جاتا۔ بہرحال اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ نہ کیا اور خواہ مخواہ اپنے لیے شرمندگی کا موجب بنا۔ ماں باپ کو رُوحانی تکلیف پہنچائی۔ زندگی کا بہترین وقت خراب کیا۔ انشاء اللہ آئندہ کبھی ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوں گا

حمیدہ! بقولے ؎

بھُولا نہ جانیئے اگر شام کو گھر آجائے

شکر ہے پروردگار تیرا کہ صابو میاں کو اپنی غلطی کا احساس

ہُوا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس بُری عادت سے توبہ کی۔

حمیدہ! اس میں شک نہیں کہ ہر ماں اپنے ہونہار لڑکے کے متعلق نہ معلوم کیا کیا سوچتی ہے۔ کوئی ماں اپنے لڑکے کو تحصیلدار بنانے کی خواہاں ہوتی ہے اور کوئی تھانیدار اور تم ہمیشہ صابو کو پٹواری بنانے کے خواب دیکھتی ہو۔ ابھی صابو چھوٹا سا تھا ایک دفعہ میرے سامنے پہلے بھی کہا تھا کہ میرا صابو تو پٹواری بنے گا۔ شاید تمہاری نظر میں پٹواری ایک بہت بڑا عہدہ ہے۔ کیوں نہ ہو۔ گھر میں ایک بھائی پٹواری جو ہے۔ ہزار روپے کی گھوڑی پر سوار ہوتا ہے۔ گھر میں دو دو بھینس ہر وقت رہتی ہیں۔ ان کے چارہ اور دانہ کا انتظام زمیندار کرتے ہیں۔ گاؤں میں تمام زمیندار پٹواری جی۔ پٹواری جی کا راگ الاپتے ہیں۔ ابھی ابھی پچھلے دنوں انہوں نے اپنے لڑکے کی منگنی کی اور تمام گاؤں کو دعوت دی۔ دس دیگیں پلاؤ کی پکائی گئیں۔ دو روز رنڈی کا مجرا ہوا۔ ہزاروں روپیہ پانی کی طرح سے بہایا گیا۔ حمیدہ! کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ پٹواری صاحب کی تنخواہ جو سرکار کی طرف سے ملتی ہے۔

کیا ہے؟ سُنو۔ پٹواری کی تنخواہ صرف تیس رُوپے ماہوار ہے۔ الاؤنس وغیرہ ملا کر غالباً چالیس یا پنتالیس مل جاتے ہوں گے بھلا خیال کرو کہ پنتالیس روپے تنخواہ پانے والا ایک ہزار روپے کی گھوڑی سواری کے لیے دو دو بھینسیں۔ پھر ہزاروں روپیہ فضول خرچی کے لیے کہاں سے لاسکتا ہے۔ یہ سب رشوت کی بدولت ہے۔ کیونکہ غریب زمیندار علم سے بے بہرہ۔ پٹواری کے رحم و کرم پر ہے۔ ذرا پٹواری صاحب نے آنکھیں دکھائیں اور زمیندار ڈر گیا کہ کہیں زمین کا لگان زیادہ نہ لگا دے۔ یا خسرہ میں بنجر زمین کو گیہوں کی کاشت نہ درج کر دے۔ بس آنکھیں بند کر کے اپنی محنت کی کمائی سے پٹواری۔ گرداور۔ ضلعدار اور دوسرے محکمہ کے افسروں کا گھر بھرتا ہے۔ غریب زمیندار رُوکھی روٹی اور پیاز کھا کر گذارہ کرتا ہے۔ اور محکمہ کے عہدیداروں کے گھر حلوے پراٹھے پکتے ہیں۔ غریب کا خُون چُوس کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ ان ہی حالات میں ہر روز علاقہ میں ننگ و ناموس کا نہ معلوم کتنی جگہ پر جنازہ نکلتا ہے۔ افسوس! کوئی رونے

والا نظر نہیں آتا۔ ہر شخص اندر ہی اندر سلگتا ہے اور بقول ے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حمیدہ! میں کسی کی ذاتیات میں نہیں جانا چاہتا۔ پٹواری کا عہدہ تو بڑا معزز ہے۔ اگر پٹواری اور دوسرے عہدیدار صاحبان نیک نیتی اور ایمانداری سے کام کریں تو ملک سے غربت و افلاس کی لعنت کسی حد تک دُور ہو سکتی ہے۔ زمیندار کی کمائی میں برکت ہو ملک کے ہر کام میں خیر و برکت اور خوشحالی کا دَور دورہ ہو۔ بہر حال میرا مقصد تمہارے خیالات کی اصلاح کرنا ہے۔ تاکہ صابو میاں کو اصل سپاہی بنانے میں مدد کر سکو۔ اور صابو میاں دُنیا کی آلائشوں سے پاک و صاف رہ کر اپنی سپاہیانہ زندگی کا مظاہرہ کر سکیں۔ اور ہر آن میں اُن کا نقطۂ نظر ان اشعار کے مطابق ہو۔

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا،
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
میرے اللہ بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس راہ پہ چلانا مجھ کو

حمیدہ! اُمید ہے کہ صابو کے متعلق اپنے دل و دماغ میں کوئی بلند خیال پیدا کرو گی۔ بہرحال وقت نزدیک ہے۔ انشاءاللہ ہمارا صابو اپنا راستہ خود تلاش کرے گا۔ جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ تمہاری خداداد قابلیت نے اُسے آراستہ کر دیا۔ اب وہ بے خطر اپنی زندگی کو سپاہیانہ رنگ میں رنگ لے گا۔ اور اپنے خیالات کی وسعت سے جس طرف بھی جائے گا انشاءاللہ کامیاب ہو گا۔ اللہ کرے سالانہ امتحان میں صابو اوّل آئے تاکہ اُس کے خیالات کا جائزہ لے کر عملی دنیا میں قدم بڑھانے کی ترغیب دی جا سکے

حمیدہ! سپاہی کی ہر ادا میں پرواز ہے۔ وہ رفعت کا درس اس شعر سے لیتا ہے ؎

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

تمہارا!
انوار

خط نمبر ۱۸

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم

تمہارا ملفوف ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ حمیدہ نہ معلوم کتنی دفعہ خط پڑھا ہر دفعہ پڑھنے سے کیفیت طاری ہوئی۔ چہرہ کی شگفتگی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ میرے پاس بیٹھے ہوئے دوست فوراً بھانپ گئے کہ ضرور کوئی خوشی کا خط آیا ہے۔ اور بغیر کچھ پوچھے۔ بولے "بس بھئی مٹھائی کھلاؤ اللہ نے خوشی دکھلائی ہے۔ اور پھر میرا بھی وہی حال۔ خوشی میں سرشار۔ فوراً پکار اٹھا کہ ہاں مٹھائی آج اور ابھی۔ یاروں کو اور کیا چاہیئے تھا۔ میں نے بڑی فراخدلی سے

دو رُوپیہ کی مٹھائی منگوائی اور دوستوں میں تقسیم کی۔ دوست مٹھائی کھاتے ہیں اور پوچھ رہے ہیں بھئی خوشی کی تقریب تو بتاؤ بس ہم نے سب سے باری باری کہہ دیا بھئی میرا صاآبو میٹرک میں اوّل رہا ہے۔ یاروں نے مٹھائی کھائی۔ صاآبو میاں کے متعلق قیاس آرائیاں کیں۔ کسی نے کہا واہ واہ بہت ہونہار ہے میاں بچپن سے ماشاء اللہ ذہین ہے۔ کسی نے کہا میاں۔

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات

اللہ عمر میں برکت دے۔ بہت بڑے نصیبے والا ہے۔ بہرحال ایک صاحب نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ بھئی صاآبو میاں کے لیے آئندہ کیا پروگرام ہے۔ یہ ایک مشکل سوال تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ اور جب دوستوں نے زیادہ اصرار کیا تو صرف یہ کہا کہ میاں اب یہ معاملہ صاآبو میاں سے متعلق ہے کہ اب وہ کیا چاہتے ہیں۔ بہرحال میری آمدنی کا جہاں تک تعلّق تھا میں نے حق ادا کر دیا اس سے زیادہ اخراجات کا شاید متحمّل نہ ہو سکوں۔ باقی اللہ کے ہاتھ ہے۔ ابھی گھر خط لکھ رہا ہوں جواب آنے پر بتلاؤں گا۔ کہ صاآبو میاں کیا چاہتے ہیں!

حمیدہ! میرا خط صاؔبو میاں کے ہاتھ میں دے دینا اور کہنا کہ ایک دفعہ نہیں کم از کم تین مرتبہ پڑھے اور اپنے آخری اور مستحکم فیصلہ سے آگاہ کرے۔ اللہ کا فضل ہے۔ جہاں تک میرا مقدور تھا۔ پہلے قرآن مجید کی تعلیم دلائی پھر میٹرک تک تعلیم سے آراستہ کیا۔ باقی جہاں تک انسان کے لیے بہترین عادات کا تعلّق ہے وُہ تم نے اپنی خداداد قابلیت سے نوازا۔ ماشاء اللہ پانچ فٹ سات انچ قد ہے۔ میدانِ عمل میں کوئی سا راستہ اختیار کرے۔ وُہ اپنی طبیعت کے رجحان سے واقف ہے۔ صرف اس بات کا خیال رکھے کہ جو راستہ بھی اُسے آج پسند ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ پسندر ہے یہ نہیں کہ آج وہ پڑھنا چاہتے ہیں اور کل اُن کا ارادہ کچھ اور کرنے کا ہو۔ دنیا کے تمام نشیب و فراز سے واقف کر دیا گیا ہے۔ مُستقل مزاجی کو شعار بنائے اور جس کام میں بھی ہاتھ ڈالے اُس کو آخری دم تک نبھائے اور اُس کام کی معراج حاصل کرے۔ ورنہ بصورتِ دیگر اُس کی طبیعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ خُدا نہ کرے کہ کہیں میاں علم دین کی مثال ہو جائے۔ باپ پڑھانے کا خواہاں تو بیٹا

خلاف اور سکول اور پڑھائی کے نام سے بیزار۔ ماں کی رٹ بیاٹا، بیٹا کوئی کام کرائو چار پیسے کمائے۔ برابر کا ہاتھ ہے۔ آج ہی سے کما کر نہ کھلائے گا کہ کب کھلائے گا۔ ماشاء اللہ جوان ہے۔ سال دو سال میں شادی ہو جائے گی۔ پھر اپنے بیوی بچوں کے خرچ اخراجات۔ ماں باپ کو دیکھے گا یا اپنے بیوی بچوں کو دیکھے گا۔ چلئے صاحب سکول ساتویں کلاس سے چھوڑ دیا۔ اب باپ کی مرضی بیٹے کو درزی کا کام سکھانے کی ہے اور بیٹا بضد ہے جوتا بنانے کا کام سیکھو نگا اور باپ نے اپنی ضد پورا کرتے ہوئے ایک درزی کے پاس بٹھایا اور تاکید کر دی۔ ماسٹر صاحب آج رعلم دین آپ کو سونپنے آیا ہوں بس ہمارا جو کچھ حق تھا ادا کر دیا اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ اُستاد کا مرتبہ والدین سے زیادہ ہے ہم نے صرف جنم دے کر پرورش کیا اور اب آپ ہنرمندی سے آشنا کر کے اس قابل بنا دیں کہ اپنی زندگی کا کفیل ہو سکے۔ رہا رُو رعایت اگر کام نہ کرے تو بس ماریں پیٹیں، ماسٹر صاحب حد ہے! گوشت آپ کا اور ہڈی ہماری۔ اور سلام کر کے واپس آ گئے۔ ماسٹر صاحب بیچارے افیون کھانے کے عادی

دو چار کاریگر اور دکان میں بیٹھے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور علم دین صاحب کو دکان پر بٹھا کر سوئی دھاگہ ہاتھ میں تھمایا۔ چند روز علم دین میاں وقت کی پابندی سے دوکان پر گئے اور جب ماسٹر صاحب کی افیون خوری کا ملاحظہ کیا۔ طبیعت تو درزی کے پیشے سے پہلے ہی نفور تھی فوراً حیلے بہانے شروع کر دیئے۔ ماسٹر جی پیشاب کر آؤں۔ اور علم دین صاحب چار گھنٹے گلی ڈنڈا کھیلنے کے بعد آ گئے ہیں۔ دو چار گالیاں سُنی ان سُنی کیں اور پھر وہی چال بے ڈھنگی۔ یا ماسٹر صاحب کو اُونگھتے دیکھا اور فوراً دبے پاؤں اُٹھے اور غائب ہو گئے۔ آدھ پون گھنٹے کے بعد ماسٹر صاحب کو حقہ کا خیال آیا تو بولے "ارے علم دین بیٹا" ذرا چلم بھر لاؤ۔ ہاں بیٹا تماکو پر توا ضرور رکھنا۔ ارے دیکھو حقہ بھی تازہ کر لینا۔ بڑا اچھا بیٹا ہے ذرا جلدی آنا۔ اور نہ معلوم افیون کی پینک میں کیا کیا نصیحتیں کرتے رہے میاں علم دین غائب ہیں۔ اُستاد بے خبر ہیں۔ کاریگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے ہنس رہے ہیں کوئی کہہ رہا ہے۔ ماسٹر صاحب وَلی ہیں وَلی نہ معلوم کہاں پر پہنچے ہوئے ہیں۔ بہر حال اُستاد آدھ پون گھنٹے کے بعد ہوش میں آئے تو

معلوم ہوا کہ شاگردِ رشید دیر سے غائب ہیں علم دین صاحب کی تلاش شروع ہوئی۔ والدین کو آگاہ کیا گیا۔ قصّہ مختصر پہلے باپ نے پیٹا اور پھر ماں نے بُرا بھلا کہا۔ مابعد جب علم دین صاحب اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خُوب مرمت ہوئی۔ علم دین صاحب کی طبیعت اوّل روز سے ہی خلاف تھی۔ مار پیٹ سے اور بھی بیزار ہو گئے۔ ایک دن چپکے سے رات کو اُٹھے اور باپ کی جیب سے کچھ روپے نکالے اور ریلوے اسٹیشن کا راستہ لیا۔ تین ماہ نہ معلوم کہاں کہاں کی خاک چھانی۔ باپ پریشان ماں مامتا کی ماری ایک کی جگہ چار خرچ کر رہی ہے کہ کہیں سے اُس کا لال واپس آ جائے۔ کہیں مولوی صاحب کی ضیافت کی کہ وُہ تعویز لکھ دیں جس کے زور سے علم دین میاں گھر کی طرف کھنچے آئیں، اور کہیں گلی محلّہ والوں کی منّتیں کیں کہ آنے جانے کا کرایہ اور پانچ روپیہ یومیہ خرچ دوں گی۔ میرے لال کو کوئی لادے۔ اللہ اللہ کرکے علم دین صاحب آئے باپ نے غصہ کی تاب نہ لاکر بید اُٹھائی ماں نے رَو رَو کر التجا کی جوان بیٹا۔ تین ماہ کے بعد آیا۔ اگر اب کہیں چلا گیا تو مُشکل ہو جائے گی۔ غصّہ حرام ہوتا ہے۔ تھوک دیجئے۔

خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر علم دین کے کام کا فکر ہوا اور پوچھا گیا۔ برخوردار اب تم سیانے ہو بتلاؤ کہ کیا کروگے کہنے لگے کہ میں جوتا بنانیکا کام سیکھوں گا اور اُن کی مرضی کے مطابق اُسی دن ایک جوتا بنانے کے کارخانہ میں لے جایا گیا اور علم دین صاحب جوتے کا کام سیکھنے لگے۔ شروع شروع تو وقت پر جاتے رہے اور کام میں بھی دل لگاتے رہے۔ لیکن ہر شاگرد سے غلطی سرزد ہونا ازبس ضروری ہے۔ لہذا ایک دن اُستاد نے خوب ڈانٹا اور ایک دو چپت بھی رسید کر دیئے۔ علم دین صاحب کے دماغ میں انتشار تو پہلے سے ہی پیدا ہو چکا تھا۔ سوچنے لگے کہ درزی کے کام میں بھی مار پڑتی تھی اور اب جوتے کے کام میں بھی مار پڑنی شروع ہو گئی۔ کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے جس کام میں مار نہ پڑتی ہو۔ اور آہستہ آہستہ وہاں سے بھی نو دو گیارہ ہوئے۔ صرف ایک ماہ کے بعد پھر علم دین صاحب تھے اور وہی آوارگی اور صحرا نوردی۔ علم دین صاحب پریشان اُس کے والدین پریشان۔ قصہ مختصر ایک ڈیڑھ سال میں نہ معلوم کس کس کام پر لگائے گئے۔ لیکن وہی ڈھاک کے تین پات۔ آج

وہی میاں علم دین ہیں جو گاؤں میں چوکیداری پر مامور رہیں۔ ماں باپ کو کمائی کھلانا تو دُور کی بات ہے۔ اپنا بوجھ ہی مشکل سے اُٹھتا ہے۔ بہرحال حمیدہ یہ میرا خط صاؔبو میاں کے حوالے کر دیں۔ اور اُن کو تین چار روز کا وقت دیں اور سنجیدگی سے صاؔبو میاں کو اپنے لیے عملی دنیا میں راستہ تلاش کرنے کی تلقین کریں اور جو کام وُہ پسند کریں اُس کے متعلق مجھے اطلاعاً تحریر کریں۔ تاکہ بخوشی اُن کو اُس طرف لگایا جائے۔

آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ یا اللہ اپنے حبیبؐ کے صدقے میرے صاؔبو کو عقلِ سلیم سے کام لینے کی توفیق دے تاکہ اپنی سپاہیانہ زندگی میں روشنی پیدا کرے اور ہر بنی نوع انسان کے لیے مشعلِ راہ ہو۔

اور بقولے اقبال رحہ

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لَایَحزَنُوں کر
خرد کی گتھیاں سُلجھا چکا ہیں
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

تمہارا! انوار

خط نمبر ۱۹

میری حمیدہ ۔۔۔

السلام علیکم۔

تمہارا ملفوف ملا حالات سے آگاہی ہوئی۔ حمیدہ روایات کی بنیاد حقیقت پر ہے۔ بعض باتیں نہ معلوم کب اور کس موقع پر کہی گیئں لیکن جب بھی دہرائی جاتی ہیں۔ انسان کو حقیقت سے آشنا کرتی ہیں بقولِ ؎

ماں پر پوت پتا پر گھوڑا　　بہتا نہیں تو تھوڑا تھوڑا

یہ پڑھ کر کہ صابو نے میرا خط نہ معلوم کتنی دفعہ پڑھا اور پھر تیسرے دن صبح ہی صبح ہنستا ہوا بولا۔ امی میں نے اپنا راستہ تلاش کر لیا گو اب میں بالغ ہوں اور چاہتا ہوں کہ والد صاحب کو اپنے خیالات

سے خود آگاہ کروں۔ لیکن والد صاحب نے مجھ سے مشورہ آپ کی معرفت مانگا ہے۔ لہذا عرض ہے۔ میں ایک سپاہی کا بیٹا ہوں۔ آج تک میری تعلیم اور تربیت سپاہیانہ ہوئی۔ پھر مجھے بھی یہی واجب ہے کہ میں بھی سپاہیانہ زندگی اختیار کروں۔ اگر اللہ نے اپنے حبیبؐ کے صدقے توفیق دی تو سپاہی کے تمام مراتب درجہ بدرجہ حاصل کروں مجھے امید ہے آپ کی محنت رائیگاں نہ جائے گی۔ آپ کی دعائیں میرا ساتھ دیں گی۔ اور اللہ جل شانہ، مجھے کامیابی کے آخری زینے پر چڑھنے کی توفیق دیگا۔ آمین ثم آمین

والد صاحب کا خط میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور تمام حالات پر غور کیا پھر اپنے ہم عمروں میں اپنے بہترین دوستوں سے مشورہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ کسی نے دکانداری اور کسی نے کاشتکاری اور کسی نے دفتر میں کلرکی کی طرف اشارہ کیا۔ بہرحال میں نے ہر دوست کے مشورے پر سنجیدگی سے غور کیا میرے ہم جماعت دولت علی جس کے والد کی بازار میں بساطی کی دکان ہے۔ اور وہ خود بھی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتا ہے۔ کہنے لگا صابو میاں جیسے رزق

بہانے موت کے مصداق کوئی نہ کوئی حیلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن ہماری مانو تو اپنے ہی شہر میں کسی چیز کی دوکان کر لو۔ سال دو سال میں وارے نیارے ہو جائیں گے۔ دوکانداری ہمارا آبائی پیشہ ہے میرے والد اور چچا تین بھائی ہیں۔ والد صاحب بڑے ہونے کی وجہ سے دوکانداری کے سلسلہ میں دادا مرحوم کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ چھوٹے چچا پڑھے لکھے اور تھانیدار بنے۔ اُن سے بڑے چچا نہ پڑھے اور نہ نوکری پسند کی۔ تھوڑی سی زمین ہے۔ کاشت کرتے ہیں۔ اور بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو میرے والد صاحب دونوں بھائیوں کے خرچ اخراجات کے کفیل ہیں۔ تھانیدار چچا آج چار سال ہوئے رشوت ستانی کے معاملہ میں نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور اب وُہ نہ کہیں نوکری کرتے ہیں اور نہ کاشتکاری کے قابل ہیں۔ بس سارا دن گھر میں چارپائی توڑتے ہیں۔ اور والد صاحب کیونکہ بڑے ہیں۔ لہذا اُن کے کفیل ہیں۔ اُن سے بڑے چچا بیچارے علم سے بالکل بے بہرہ۔ بچپن سے ہی لاپرواہ رہے۔ اور جوانی کے دنوں میں کاشتکاری شروع کی۔ سو تھوڑی زمین

بے علمی کے سبب سے جو کچھ سال بھر محنت کر کے کماتے ہیں۔ اُس کا ایک حصّہ اُن کے کام آتا ہے۔ اور باقی سارا پٹواری سے لے کر تحصیل دار اور پولیس کے سپاہی سے لے کر تھانیدار صاحب کے کام آتا ہے۔ عید۔ بقرعید یا برادری میں جب بھی کوئی تقریب ہو بیچارے مجبور ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور والد صاحب ہی اُن کی مدد کرتے ہیں۔ سو صابو میاں اس سے بہتر اور کچھ نہیں کسی نہ کسی طرح دو چار ہزار کا سرمایہ لگا کر بیٹھ جاؤ اور پھر دیکھو کہ میرے والد صاحب کی طرح کیسے پیسے میں کھیلتے ہو۔ امّی میں نے سب کچھ سُنا اور پھر غور کیا کہ غریب سپاہی کا بیٹا جس نے اپنی حکمت عملی اور محدود وسائل کی بدولت مجھے میٹرک کرایا۔ میرے لیے دو چار ہزار کا سرمایہ کیسے مہیا کرے گا۔ بفرضِ محال اگر کچھ روپیہ فراہم بھی کیا تو کیا مجھے دُکانداری کا تجربہ ہے اور پھر کیا یہ سب کچھ کر کے سوائے میں اپنی مالی حالت اچھی کر لوں۔ کیا منشائے ایزدی کو بھی پورا کر سکوں گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میرے باپ نے اپنی زندگی کا مسلک بنی نوع انسان کی خدمت کو ٹھیرایا۔ انشاءاللہ میں بھی اپنے والد کی طرح اپنی زندگی سے بنی نوع انسان کی خدمت کرونگا۔

امی اس کے بعد میرے دوست قادر بخش نے مشورہ دیا کہ میاں صاحب تو دُنیا دُکھوں کا گھر ہے ہر طرف غداری۔ جھُوٹ۔ مکر۔ فریب کا جال بچھا ہُوا ہے۔ تجارت میں جھُوٹ۔ مکر سے چھٹکارا نہیں اور بغیر مکر اور جھوٹ کے تجارت میں کامیاب ہونا مشکل۔ پھر دنیا ظاہرداری کی ہے۔ گھر میں چاہے چوہے لوٹتے ہوں لیکن دوکان کی سج دھج نہیں تو گاہک بات نہیں کرتا۔ سچ بولنے پر بیوقوف بنتا ہے۔ دُوسری طرف انکم ٹیکس والوں کا رُعب داب۔ چوکیدار ٹیکس۔ بازار ٹیکس۔ بکری ٹیکس نہ معلوم کیا کیا ٹیکس ہیں۔ خُدا کی پناہ۔ ہر بات میں ذالت تیسرے ادھار کی لعنت علیحٰدہ رہتی ہے۔ اگر کسی کو ادھار دیا تو دُوسری دفعہ پیسہ بھی گیا اور گاہک بھی۔ حتیٰ کہ رستہ بدل لیتے ہیں۔ سال دو سال کے بعد اگر کہیں مُڈبھیڑ ہو گئی تو کہتے ہیں۔ کیا چور ہُوں لعنت ہے ایسی دوکانداری پر۔ راستہ میں ملے اور تقاضا شروع کر دیا۔ اور اگر نہ دو تو کہتے ہیں یار وہ بڑا بے لحاظ آدمی ہے۔ ایک روپیہ کا سودا مانگا اور کہا کہ بھئی ایک ہی شہر کے رہنے والے ہیں دے دیں گے۔ لیکن صاف جواب دے دیا۔ ہم تو کبھی بھُول کر بھی اس کی دُوکان

پر نہ جائیں گے۔ ہاں نوکری ایک لعنت ہے۔ چھوٹوں پر مُفت کا رعب۔ اور بڑوں کی خوشامد اللہ دشمن کو بھی بچائے۔ ہاں پھر ہندی کی یہ کہاوت سنائی :-

اُتم کھیتی مدھ بیوپار۔ نکھد چاکری بھیک دِوار

میاں صاحب کھیتی کرو اپنی نیند سونا اور اپنی نیند جاگنا۔ نہ کسی کی نوکری اور نہ کسی کی پابندی۔ ہمارے ہاں دیکھ لو۔ والد صاحب تین چچا اور دو نوکر ہنسی خوشی کام کرتے ہیں۔ دودھ کی جگہ دودھ۔ اناج کی جگہ اناج ہر سال فصل کے خاتمہ پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے روپیہ پیسہ آسمان سے گر پڑا ہے۔ پانچ جوڑی بیل ہیں۔ تین بھینسیں، چار گائے ہر وقت گھر میں رہتی ہیں۔ ہاں اتی کہنے لگے کہ پنجابی مقولہ ہے دبّ کے واہ رج کے کھا۔

اتی مجھے قادر بخش کی باتیں بے حد پسند آئیں۔ اور بعد ازاں غور کیا کہ والد صاحب پردیس میں پھر ایک سپاہی کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔ یہ سب اُن کی مُدبّرانہ طبیعت کی بدولت ہے کہ گھر میں رونق ہے مجھے میٹرک کرادیا اور دنیا کے حالات سے باتوں ہی باتوں

میں پوری طرح باخبر کر دیا۔ سولہ سال کی عمر ہو گی اور ہل کا ہتھہ کبھی ہاتھ میں نہ لیا۔ پھر بفرضِ محال اگر آباؤ اجداد کی دو چار بیگھہ زمین پر ہی کام شروع کیا۔ تو پھر دنیا کے بکھیڑے گلے پڑ جائیں گے۔ کہیں لگان کی ادائیگی۔ کہیں پٹواری صاحب کی فرمائش۔ بیلوں کے لیے نقد روپے کی ضرورت۔ حالات سازگار نہ ہو سکیں گے۔ چلتے وقت اختر علی صاحب ملے کہنے لگے میاں صابو مبارک ہو۔ میٹرک کے امتحان میں اول آئے ہو۔ سناؤ اب کیا کرنا ہے اور مشورۃً کہنے لگے بھائی میرے چچا (M.E.S) ایم ای ایس میں ہیڈ کلرک ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی بلایا ہے کہ فوراً چلے آؤ۔ تمہارے لیے کلرکی کی آسامی خالی ہے کہنے کو تو وہ کلرک ہیں جن کی تنخواہ ایک سو پچپن روپے ماہوار ہے لیکن معلوم ہے تیس ہزار روپے کی جائداد میری چچی کے نام سے خریدی ہے۔ گھر میں اگر جاؤ تو پتہ چلتا ہے کہ جیسے نواب بھوپال کی کوٹھی ہے۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو دیکھنا پانچ سات سال میں میں بھی کہیں ہیڈ کلرک بن جاؤں گا۔ اور میری بھی اس قدر جائداد ہو گی۔ اللہ سلامت رکھے ٹھیکیداروں کو وہ دن دُور نہیں جب

ہمارے پاس ایک موٹر گاڑی ہو گی اور گاؤں میں دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر کہو تو میں آپ کی بھی چچا سے سفارش کر دوں تاکہ دونوں دوست اکٹھے رہیں اور عیش کی زندگی گزاریں۔ امّی وہ کہتے رہے اور میں خاموشی سے سنتا رہا۔ مجھے اُن کے خیالات سے کوئی دلچسپی نہ ہوئی اُن کا دل رکھنے کو میں ہاں میں ہاں ملاتا رہا امّی میں نے تمام حالات پر غور و خوض کر کے اندازہ لگایا کہ ننانوے فیصد ہی لوگوں کا مقصدِ زندگی صرف روپیہ کمانا اور اُس کو جائز و ناجائز خرچ کرنا ہے۔ اور بس۔ میری رگوں میں ایک سپاہی باپ کا خُون ہے۔ میرے دِل میں ایک سپاہیانہ تڑپ ہے۔ میری رُوح ہر وقت گنگناتی رہتی ہے۔

چنانچہ میں وُہ کام کرنا چاہتا ہُوں۔ جہاں دنیا کے علوم سے واقفیت ہو اور ملک و ملّت کا بھی نام ہو۔ اللہ و رسُول کی خوُشنودی کا باعث ہو۔ رُوپیہ پلیسہ کیا چیز ہے۔ دنیا کی ہر چیز میرے استقبال کے لیے دوڑے۔ میرے پیشِ نظر جائز و ناجائز روپیہ کما کر تجوریاں بھرنے والوں کا نمونہ نہیں بلکہ مصطفیٰ کمال اتاترک

کی مثال کافی ہے آپ کی دعائیں اور اللہ کا فضل شامل حال ہے تو دکھا دوں گا کہ سپاہی کے لفظ کا مفہوم کیا ہے۔ اتنی کل ہمارے گاؤں میں فوج کی بھرتی ہے۔ میں آپ کی اجازت مانگتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے خوشی سے سپاہی بننے کی اجازت دیں گی خُداوندا مجھے استقلال دے اور میرے ارادوں میں پختگی دے۔ آمین ثم آمین

حمیدہ! تم نے صابو کو اجازت دے کر ایک بہادر ماں ہونیکا ثبوت دیا ہے۔ انشاء اللہ اس بہادری کا انعام بھی ضرور پاؤ گی۔ ہر چیز کے لیے وقت مقرّر ہے۔ میں بھی سپاہی ہُوں اور میرا بیٹا بھی سپاہی۔ صرف فرق اتنا ہے کہ میں تعلیم سے بالکل بے بہرہ اور میرا بیٹا تعلیم اور سپاہیانہ تربیت سے آراستہ۔ اگر میں اپنی خامی کی وجہ سے سپاہیانہ مدارج طے نہ کر سکا۔ انشاء اللہ صابو ضرور سپاہیانہ معراج حاصل کرلے گا۔

آمین ثم آمین

حمیدہ! ماشاء اللہ صابو عاقل و بالغ ہے۔ اور اولاد جب بالغ ہو جائے تو ماں باپ کی بہترین دوست ہو جاتی ہے۔ اب

صابو کو تلقین کریں تاکہ وہ مجھے اپنے حالات سے آگاہ کرتا رہے۔
اور زیادہ کیا تحریر کروں۔

تمہارا!
انور

خط نمبر ۲۰

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم۔

تمہارا ملفوف ملا۔ حمیدہ! صابو نے اپنے حالات سے ہم دونوں کو بیک وقت باخبر کیا ہے۔ ماشاء اللہ اب تو وہ سپاہی ہے اور سپاہیانہ زندگی کے ابتدائی دور سے گزر رہا ہے میرے کہی اصرار پر اُس نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ میں نے پڑھے اور اللہ کا شکر ادا کیا اور دُعا کی اللہ جل شانہٗ اُسے اس دَور سے بخیر و خوبی گزرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔ تمہاری ماما آڑے آئی اور گھبرا کر لکھ دیا کہ صابو میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ سارا سارا دن جھلستی ہوئی دھوپ۔ خاکی وردی بڑے بوٹوں میں ملبوس کبھی پریڈ اور کبھی جنگل میں کھڈے کھودنا ہے

شام کو کہیں فارغ ہو کر آتا ہے۔ اور علی الصبح پھر وہی کام اور دوڑ بھاگ
آنکھوں سے دُور قدموں سے دُور نہ معلوم میرے لال کا کیا حال ہے
تمہاری آنکھوں سے نیند اڑ گئی۔ ہر وقت پریشان رہتی ہو کسی حد تک
ٹھیک ہے۔ آخر ماں ہو۔ تمہیں درد نہ ہو گا تو اور کس کو ہو گا۔ الحمدللہ کہ
تم نے صابو کو جواب لکھنے سے پیشتر مجھ سے مشورہ لے لیا۔ مجھے
اُمید ہے کہ میرا یہ خط تمہارے دھڑکتے ہوئے دل کو سکون اور
تمہاری اشکبار آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا کر دے گا جیسے کوئی غریب
اپنے تنگ و تاریک مکان سے باہر گرمی اور مچھّر سے گھبرا کر شام کے
وقت میدان کی طرف نکل جائے۔ اور میدان میں ہری ہری گھاس، ہَوا
کی سرسراہٹ، چودھویں کا چاند اپنی چاندنی سے غریب کی دُنیا بدل
دیتا ہے۔ اور دِن بھر کی تمازت۔ محنت و مشقت کی تھکاوٹ
وقتی طور پر بالکل بھول کر کہتا ہے۔ اللہ تیرا شکر ہے۔ گھر میں اندھیرا
تھا گرمی تھی۔ طبیعت پریشان ہو گئی۔ ذرا باہر نکلا تو میدان کی کھلی
فضا چاند کی چاندنی نے آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا کر دی۔ اب
نیند آئے گی۔

حمیدہ! غریب گھر آتا ہے۔ وقتی طور پر ہوا اور چاند کی چاندنی سے متاثر ہو کر سو جاتا ہے اور دوسرے دن پھر وہی نقشہ۔ لیکن تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک دائمی ہو گی۔ تمہارا دلی سکون انشاءاللہ ہمیشہ ہمیشہ برقرار رہیگا میرے خط کو سرسری طور پر نہ پڑھنا۔ ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھنا۔ اور سنجیدگی سے سوچنا۔ کہ صابو کے ماحول پر رنجیدہ ہونا چاہیئے یا خوش فیصلہ تمہارے لیے ٹھیک ہو گا اور پھر بواپسی ڈاک اپنے جواب سے مجھے آگاہ کرنا۔ تاکہ ہم صابو کو بیک وقت متفقہ جواب لکھیں۔ حمیدہ! صابو کی محنت شاقہ اور ہمہ تن مصروفیت استقلال کے امتحان کی تیاری ہے۔ استقلال انسانی صفات میں ایک ایسی صفت ہے۔ جس پر انسانی زندگی کی معراج کا دارومدار ہے۔ اس استقلال کے بل بوتے پر انسان مذہبی فرائض سے سبکدوش ہو کر اپنی عاقبت سدھارتا ہے اور اس استقلال کی بدولت دنیا کے ہر کام کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ حمیدہ! تمہیں تو یاد ہو گا صابو کو جب پہلے پہل روزہ رکھایا گیا تو کیا تلقین کی تھی۔ بیٹا آج تمہارا روزہ ہے گھر میں یا باہر جا کر افطاری سے پہلے کوئی چیز کھانی گناہ ہے۔ مسلمان کے لیئے روزہ

ایک فرض ہے بحری کے بعد سے افطاری کے وقت تک بھوک و پیاس کا متحمل ہونا ہر مسلمان کا شیوہ ہے۔ اسی سے انسان کے استقلال میں پختگی آتی ہے اور نبی نوع انسان پیامبانہ زندگی کا خوگر بنتا ہے اور پھر دن کے پانچ بجے۔ گرمی کا موسم۔ صابو کی عمر غالباً گیارہ سال کی تھی۔ بھوک و پیاس سے نڈھال۔ کبھی اندر اور کبھی باہر۔ آخر نیم مُردہ سا ہو کر چارپائی پر گر پڑا۔ تم نے صابو کو اٹھایا اور وضو کرایا کہ بیٹا اُٹھو عصر کا وقت آخیر ہو رہا ہے۔ نماز پڑھ لو اور جب میں نے شفقتِ پدری سے بیتاب ہو کر کہا کہ بچہ ہے چھوڑ دو۔ ساری عمر پڑی ہے تو تم بگڑ گئیں۔ واہ نماز سے روکتے ہو۔ اگر نماز نہ پڑھی تو روزہ رکھنے کا کیا فائدہ؟ روزہ نماز ہی سے تو انسان کی روح اور جسم اصلاح پاتے ہیں۔ اور پھر صابو کو مخاطب کرتے ہوئے "بیٹیا" مسلمان ہو کر ہمت ہارتے ہو۔ مسلمان کو ہمیشہ راسخ الیقین ہونا چاہیے اور اس کی نظر ہمیشہ انجام پر رہنی چاہیے۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ علیہ السلام نے شہادت حاصل کر کے ہر مسلمان کے لیے ایک سبق چھوڑا ہے۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ میدانِ کارزار میں حضرت

امام حسینؑ علیہ السلام نواسۂ رسولؐ شہید عالم نے جنگ کے دوران بھوک پیاس کی تلخی اور اس پر روزہ و نماز کو مقدم سمجھا اور خود عمل کر کے روئے زمین کے ہر مسلمان کے لیے ایک مثال چھوڑی جو تاقیامت مسلمان کی رہبری کرے گی اور ہر مسلمان کو حق و باطل کی راہوں سے آگاہ کر کے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے گی۔

حمیدہ! میں نے دیکھا کہ تمہاری اس تقریر کا صابو پر ایسا اچھا اثر ہوا کہ فوراً اس کے چہرے کی مردنی غائب ہو گئی۔ اور وہ ہنستا ہُوا اٹھا اور نماز پڑھی پھر قرآن پاک کی تلاوت کی پھر ہشاش بشاش روزہ افطار کیا۔ مغرب کی نماز پڑھی اور پھر تراویح کی نماز پڑھنے کو تیار ہو گیا۔

حمیدہ! آج بھی وہی معاملہ پیش ہے۔ اگر صابو کے راستے میں اپنی غلط مامتا کو دخل دیا تو وہ استقلال کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی بجائے راہ مستقیم کھو بیٹھے گا اور ہماری آج تک کی کوششوں اور ارادوں پر پانی پھر جائے گا۔

حمیدہ! بقول ے رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

صابو نے سکول میں ہر کلاس ایک سال کے بعد پاس کی۔ لیکن صابو کی یہ منزل صرف چھ ماہ ہے۔ انشاء اللہ آنکھ جھپکتے ختم ہو جائیں گے اور صابو کے لیے آئندہ تمام مدارج کا راستہ کھل جائے گا۔

حمیدہ! آج پھر صابو کو تمہاری روزہ داری والی تقریر کی ضرورت ہے تاکہ اس کے استقلال میں فرق نہ آ جائے۔ خدا کرے کہ وہ اپنی ریکروٹنگ کے زمانہ کو خندہ پیشانی سے گزارے۔ اس کے خط کا جواب فوراً جانا چاہیئے۔ میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اب تمہارا کام باقی ہے

قطرۂ آغوشِ تلاطم میں گہر بنتا ہے
آبرو چاہے تو طوفان میں گھر پیدا کر

تمہارا!
انوار

## خط نمبر ۲۱

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم

حمیدہ! شاید تمہارے خطوط پڑھنے والے صابو کو ہیرو تسلیم کریں. لیکن اس حقیقی ڈرامہ میں تمہاری ذات ہیرو کے خطاب کی حقدار ہے اور نکتہ بیں پڑھنے کے بعد ایک دفعہ ضرور کہہ دیں گے۔ کاش حمیدہ جیسی ماں ہر اولاد کو نصیب ہو۔ حمیدہ تم نے صابو کے نام خط میں علامہ اقبالؒ کا یہ شعر لکھ کر اپنی ذہانت کا ہی ثبوت نہیں دیا بلکہ اپنے بلند کردار کی مثال قائم کر دی۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

صبا کو نے جوں کا توں تمہارا خط مجھے بھیج دیا۔ میں نے پڑھا اور نامعلوم کب تک وجدانی کیفیت سے سرشار محوِ خیال بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ میرے ساتھی سپاہیوں نے آواز دی انور صاحب کھانے کا وقت ہو گیا اُٹھو چلیں تو میرا سکوت ٹوٹا اور الحمد للہ کہہ کر اُٹھا کھانا کھایا مغرب کا وقت تھا نماز پڑھی۔ بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہو کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تیری رحمت واقعی بے پایاں ہے۔ بندہ حقیر و ناچیز تیری رحمتوں کا شمار نہیں کر سکتا۔ تُو نے مجھے وہ دولت عطا فرمائی ہے۔ جس دولت کی تمنا کے لیے ہر خاص و عام تیری بارگاہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار اپنی رحمت سے میرے بیوی بچوں کو اوصافِ حمیدہ کی توفیق دے تاکہ آباؤ اجداد کے نام کو روشن کریں۔

حمیدہ! صبا کو کا خط ابھی ابھی ملا ہے جس میں تحریر ہے کہ ابا آج میری ٹریننگ کی چھ ماہی ختم ہو گئی۔ گھر سے چلتے ہوئے امّی نے بڑے حوصلہ اور خندہ پیشانی سے روانہ کیا تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ بیٹا گھر سے دُور جا رہے ہو۔ تھوڑی تنخواہ اور تمہارے کھانے

پینے کی عمر۔ اللہ کا فضل ہے۔ گھر میں ہر چیز موجود ہے۔ ہماری فکر نہ کرنا۔ اور جو ملے اپنے اوپر خرچ کرنا تاکہ حسرت نہ رہے کہ اپنی کمائی میں بھی کھانے پینے اور پہننے سے تنگ رہا۔ میں سب کچھ سنتا رہا اور عملی زندگی میں قدم رکھا۔ والدہ کے ہمیشہ خطوط آتے رہے اور وہ یہی تلقین کرتی رہیں کہ دیکھنا کہیں تنگ نہ رہنا۔ اگر ضرورت ہو تو لکھو تاکہ کچھ نہ کچھ بھیج دیا جائے۔ "ابا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ کیوں تنگ رہتے ہیں۔ پہلی تنخواہ انتیس رُوپے آٹھ آنے ملی۔ خیال تھا کہ بیس رُوپیہ آپ کو بھیج دوں تاکہ آپ کچھ مٹھائی اور والدہ و بہنوں کے لیے کپڑا خرید کر بھیج دیں۔ افسوس والدہ کا اسرار اور آپ کی تاکید کہ ماشاءاللہ جوان ہو۔ تنگ نہ رہنا اور اپنی تنخواہ اپنے کام میں لانا بس خاموش ہو گیا۔ پھر پروگرام مرتب کیا۔ کھانا پینا مفت۔ وردی مفت۔ نائی دھوبی مفت لیکن تاہم میں نے ایک روپیہ نائی۔ دو روپیہ دھوبی اور ایک روپیہ کا صابون اور سر کو لگانے کے لیے سرسوں کا تیل اور ساڑھے دس روپیہ ماہوار اپنے سول کپڑے اور بازار کی آمدورفت کا خرچ رکھ کر پندرہ رُوپیہ ماہوار ڈاکخانہ

میں جمع کرانا شروع کر دیا۔ اپنی بیرک میں تمام ساتھیوں میں سفید پوش
مشہور ہوں۔ لگا ہے بگا ہے روپیہ آٹھ آنہ سے دوستوں کی مدد
بھی کر دیتا ہوں۔ نائی میرے گُن گاتا ہے۔ شیو کرانے جاتا ہوں تو
بڑے احترام سے بلاتا ہے شیخ صاحب آیئے ذرا اُسترہ تیز کر کے
ابھی شیو کرتا ہوں کہیں دھوبی ملتا ہے تو دُور سے ہی سلام کر کے
کہتا ہے۔ شیخ صاحب کپڑوں کے متعلّق کوئی شکایت تو نہیں اس
چھ ماہ میں میرا بستر سب سے اچھا بن گیا ہے۔ میرے پرائیویٹ کپڑوں
میں دو شلواریں تین قمیضیں۔ ایک سُوٹ بہترین سلے ہیں جب پہن
کر نکلتا ہوں تو لوگ باتیں کرتے ہیں۔ کہ میاں کسی بڑے کھاتے پیتے
گھر کا ہے۔ ورنہ بیچارے سینکڑوں رکروٹ آتے ہیں اگر سر پہ ہے
تو پیر میں نہیں ہوتا اور پیر میں ہے تو سر پر نہیں ہوتا۔ اُن کے سگرٹ
بیڑی کا ہی خرچ پورا نہیں ہوتا۔ پھر کپڑے غریب کہاں سے
بنوائیں۔ بہرِ حال چھ ماہ میں میں نے نوّے روپیہ جمع کیا ہے۔ جو
بھیج رہا ہوں دیکھئے ابّا انکار نہ کرنا مجھے رنج ہو گا۔ آخر اب میں جوان
ہوں آپ کا ہاتھ بٹانا میرا کام ہے۔ اس نوّے رُوپے میں سے

آپ جو چاہیں کریں۔ اگر میری مانیں تو آپا نصرت ماشاء اللہ جوان ہیں۔ پھر اُن کی شادی کی تاریخ بھی نزدیک ہے۔ اللہ کا نام لیں اور اُن سے پوچھ کر جو وہ کہیں اُن کی منشا کے مطابق کوئی چھوٹا موٹا زیور اور کچھ کپڑے بنوا دیں۔ اور میری طرف سے عرض کر دیں کہ غریب سپاہی بھائی کی طرف سے منظور کریں۔ ابا آج میرا رکروٹی امتحان ختم ہوا اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ او فیسر کمانڈنگ کے رُوبرُو آیا۔ کمانڈنگ صاحب جو بارہا میرے طور و اطوار سے متاثر ہوئے مجھے اپنے پاس بُلایا اور کہنے لگے:

جوان تمہارا پی ٹی۔ پریڈ میں پیش پیش رہنا اور ٹرن آوٹ ہمیں بہت پسند آیا۔ اور ہمیشہ تمہارے عہدیداروں اور سردار صاحبان نے تمہاری سفارش کی ہے۔ آج قسم پریڈ ختم ہو گئی اب تمہارا نام پکے سپاہیوں میں شمار ہو گا۔ بتاؤ کہاں جانا چاہتے ہو ہم تمہیں اُس جگہ تعینات کر دیں گے۔ ابا مجھے اپنے گاؤں کے دینداروں کے لڑکے جو کہ (BLUCH/۱) فسٹ بلوچ میں ہیں یاد آ گئے۔ اور یہ میری مرضی کے مطابق مجھے (BLUCH/۱) فسٹ بلوچ کی "A" لے

کمپنی میں تعینات کر دیا گیا۔ انشاء اللہ عنقریب ہی میں اپنی کمپنی میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں کے حالات سے مطلع کروں گا۔ زندگی بخیر آپا نصرت کی شادی پر چھٹی لے کر حاضرِ خدمت ہوں گا۔

حمیدہ! دیکھا ماشاء اللہ ہمارا صابو ہماری توقعات سے بھی دو قدم آگے چل رہا ہے (بقولِ علامہ اقبالؒ)

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں

صابو کا روپیہ آنے پر ارسال کر دوں گا اور تم نصرت بیٹی سے پوچھ کر جو وہ چاہے بنوا دینا۔ تاکہ دونوں بہن بھائیوں کی خوشی پوری ہو جائے

انشاء اللہ نصرت کی شادی پر میں دس روز پہلے آسکوں گا چھٹی کے لیے پیش ہو چکا ہوں اور منظور ہو گئی ہے۔ اُس وقت تک صابو بھی اپنی نئی جگہ پر پہنچ کر چھٹی لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ باقی گھر کا کام کاج سب تمہارے ذمہ ہے۔

اور زیادہ کیا تحریر کروں۔ زندگی بخیر پھر کبھی حالات سے آگاہ کروں گا۔

بچوں کو پیار بزرگوں کو سلام

تُمہارا!

انوار

خط نمبر ۲۲

میرے دل کی محرم حمیدہ ،

السلام علیکم :

تمہارا ملفوف ملا حالات سے آگاہی ہوئی۔ نصرت کے خاوند میاں ارشد کا بھی خط آیا۔ جس میں انہوں نے دبے لفظوں میں نصرت کی خداداد قابلیت کی تعریف کی اور ساتھ یہ بھی لکھ گئے کہ یہ سب ہماری خالہ حمیدہ کی تعلیم و تربیت کا ظہور ہے۔ ابھی میری شادی ہوئے چار ماہ نہیں گزرے کہ گھر پہ جنت کا گمان ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ رکھے ہماری والدہ بیچاری سیدھی سادھی پرانے زمانے کی عورت۔ بات بات میں وہم۔ نہ خود کچھ سیکھا اور نہ بچوں ہی کو سکھایا۔ گھر تھا کہ اچھا خاصا طویلہ بنا ہوا تھا۔ اگر کوڑا کرکٹ کا ڈھیر ہے تو مہینوں

سے لگا پڑا ہے اور اگر کسی کو اٹھانے اور مکان کی صفائی کا خیال تک پیدا نہیں ہوا۔ اگر کسی نے جراٴت کر کے کہدیا کہ مکان گندہ ہے تو بس بگڑ گئیں وہ بستے گھروں میں تو کوڑا کرکٹ ضرور ہو گا۔ ماشاءاللہ بھرا ہوا گھر بچے بچیاں سارا دن اِدھر سے اُدھر چلتی پھرتی ہیں اور پھر سبزی پکانے کے لیے آتی ہے آخر اس کے چھلکے بھی تو ہوں گے۔ ایک طرف بلّی نے بچے دیے ہیں اور دُوسری طرف پیاری کتیا کے بچے ہیں۔ آخر جانور ہیں۔ اب ان جانوروں کو کوئی کیسے سمجھائے کہ یہاں پر نہ بیٹھنا۔ جہاں اُن کی طبیعت آتی ہے بیٹھ جاتے ہیں۔ ابھی ہمارا تو دل ایسا پتھر نہیں ہوا کہ غریب بے زبان جانوروں کو ہر وقت مارتی پیٹتی رہُوں اور اگر دوپہر کو کسی لڑکی نے جھاڑو کو ہاتھ لگایا تو والدہ چیختی تھیں کہ ہائے سُورج سر پر ہے اور گھر میں جھاڑو دے رہی ہو۔ اور اگر ذرا شام ہوئی جھاڑو اٹھایا تو والدہ بولیں تو یہ سُورج غروب ہونے کو ہے اور بھرے گھر میں جھاڑو۔ اس وقت تو چلتے چلتے دریا بھی رک جاتے ہیں۔ غرض ہر بات میں وہم۔

"قبلہ" مثل مشہور ہے کہ بارہ سال کے بعد خدا اُروڑی

کی بھی قسمت بدل دیتا ہے لہذا ہماری شادی سے ہمارے گھر کا
نقشہ بدل گیا۔ اب گھر میں جس چیز پر نظر دوڑاؤ۔ صاف ستھری اور
اپنی جگہ پر نظر آئے گی۔ اور تو اور میری تین بہنوں کو ماشاءاللہ نصرت
قرآن پڑھاتی ہیں والدہ بھی ایسی خوش ہوتی ہیں کہ گھر کی تمام ذمہ داری
نصرت کو سونپ دی حتیٰ کہ کنجیاں تک حوالے کر دیں اور یہ کہہ کر
کنارہ کش ہو گئیں۔ بٹیا میں نگوڑی پرانے زمانے کی عورت بس چار دیواری
میں مقید نہ خود کچھ سیکھا اور نہ بچیوں کو کچھ سکھایا۔ یہ پرایا دھن۔ آج
یہاں پر ہیں اور کل اپنے گھر جائیں گی۔ میری خوش قسمتی کہ تمہارے
جیسی بہو میرے گھر آئی اور چند ہی دنوں میں میرے گھر کا نقشہ بدل
دیا۔ اب تم جانو اور تمہارا گھر بس مجھے تو دو روٹیاں درکار ہیں۔

حمیدہ! اللہ کا شکر ہے کہ نصرت اپنی ساس نندوں میں خوش خاوند
کی محبت کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ آخر کیوں نہ ہو تمہاری تربیت
نے بیٹے اور بیٹیوں دونوں کو موقع محل کے لحاظ سے ایسا بنا دیا کہ
اب وہ صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلانے کے مستحق ہیں۔
اور ہر دو سپاہیانہ زندگی میں پیش پیش ہیں۔ ماشاءاللہ صابو میاں

نے لکھا ہے کہ ہمارے کمپنی کمانڈر ایک لفٹنٹ ہیں جو ہر لحاظ سے ہمارا خیال رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہر روز ہمارے لنگر خانہ کا معائنہ کرتے ہیں۔ کھانا ٹسٹ کرتے ہیں اور گاہے بگاہے ہم سے پوچھتے ہیں کہ کوئی کمی ہو تو پوری کی جائے اور تو اور کبھی کبھی شام کو رول کال پر آتے ہیں تو پوچھتے ہیں۔ بھئی گھر سے خط آتا ہے یا نہیں۔ گھر میں خیریت ہے۔ اگر کوئی کسی قسم کی تکلیف ہو تو بتاؤ۔ خاص کر میرے متعلق بہت اچھا نظریہ رکھتے ہیں دو ماہ ہوئے میں نے اجازت مانگی کہ شام کو ایک گھنٹہ پرائیویٹ طور پر ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سیکھنے کی اجازت دی جائے۔ بڑے خوش ہوئے اور اجازت دے دی۔ چھاؤنی ہماری یونٹ سے کچھ دور ایک بازار ہے۔ جہاں پر ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کا پرائیویٹ سکول ہے۔ اس سکول کے پروپرائٹر بیحد خلیق اور محنتی انسان ہیں۔ اُن کی نظرِ التفات کی وجہ سے میری ٹائپ اور شارٹ ہینڈ تھوڑے ہی دنوں میں اتنی اچھی ہو گئی ہے کہ وہ بولتے جاتے ہیں اور میں لکھتا جاتا ہوں۔ کمپنی کمانڈر صاحب نے مجھے اپنے دفتر میں کام کرنے کے لیے لے لیا ہے۔ جہاں پر اپنی دوسری

ذمہ داریوں کے علاوہ ٹائپنگ کرتا ہوں۔ نہ معلوم کمپنی کمانڈر صاحب نے مجھے فرسٹ کلاس میپ ریڈنگ پاس کرنے کو کیوں کہا ہے بہرحال میں نے ہاں کرلی ہے۔ اس مہینہ کے آخیر میں ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کے امتحان سے فارغ ہو جاؤں گا اور پھر فرسٹ کلاس میپ ریڈنگ کی تیاری کروں گا۔ ابا ہماری کمپنی میں بیشتر عہدیداران ایک ہی ضلع کے رہنے والے ہیں۔ اور ذرا ذرا سی بات پر دوسرے ضلعوں کے رہنے والوں کی شکایت کرتے ہیں اور تعصب کی آگ اس قدر زور پر ہے کہ کہیں سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ تو کہیں کسی کے خلاف غلط پروپگنڈہ ہو رہا ہے بہرحال میں ان تمام بکھیڑوں سے مبرا ہوں۔ جو کچھ کوئی کہتا ہے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں اور کسی کی طرف داری نہیں کرتا اور نہ ہی میرے پاس اتنا وقت ہے کہ دوسروں کے بکھیڑے سنوں اور خوا مخواہ اپنا وقت ضائع کروں۔ پچھلے ہفتہ ہماری یونٹ میں C.O سی۔ او دربار تھا اور کمانڈنگ صاحب نے کھلے لفظوں میں اس صوبائی تعصب کی مخالفت کی اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر ہمیں کسی کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ صوبائی تعصب کو ہوا دی جا رہی ہے۔

توہم ڈسپلنری ایکشن لیں گے۔ ایک لمبی تقریر کے بعد اچھے سپاہیوں کی مثالیں دیں اور تعصب کی لعنت سے دُور رہنے کی ہدایت کی۔

آبا! کمپنی کمانڈر صاحب نے میری پُرزور سفارش کر کے مجھے لانس نائک بنا دیا ہے اور میں نے اپنے عہدے کا امتیازی نشان ایک فیتہ اپنے بازو پر لگا لیا ہے! آبا یہ میری پہلی ترقی ہے والدہ کو میری طرف سے مبارکباد پیش کریں۔ انشاء اللہ عشرت اور شفقت کے لیے مٹھائی اور عزیزم سراج الحق کے لیے ایک اچھا سا قلم خرید کر بھیجونگا۔ ماشاءاللہ اس کا پہلا خط میرے پاس آیا ہے خط اُردو میں لکھا ہے۔ الفاظ موزوں اور تحریر خوش خط تھی۔ میرا پتہ انگریزی میں تحریر تھا۔ اُس کے تعلیمی معیار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گا۔ آگے جو اللہ کو منظور ہو۔

حمیدہ! دیکھا۔ ماشاءاللہ صابو کو اتنی مصروفیات کے باوجود اپنی بہن بھائیوں کا بھی کتنا خیال رکھتا ہے۔ صابو کے خط کا جواب بھی تحریر کرنا ہے جس میں اُس کی بیدار رُوح کو ان اشعار سے اور زیادہ بیدار کرنے کی کوشش کروں گا۔

بقولِ اقبالؒ ؎

رازہے ، رازہے ۔ تقدیر جہانِ تگ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز
جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمہ گیر
سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

حمیدہ ! اولاد اپنے علم و ہنر کی روشنی سے جتنی بھی بزرگ ہو جائے ۔ لیکن ماں باپ کے لیے وہ طفلِ مکتب ہی رہتی ہے اور ہر حال میں اس بات کی مقتضی رہتی ہے ۔ کہ اگر کوئی خامی ہو فوراً اصلاح کردی جائے ۔ لہٰذا اصابو کے خطوط میں بھی اگر کوئی خامی نظر آتی ہو تو فوراً مجھے تحریر کرنا تاکہ اُس کا حل تلاش کیا جائے اور زیادہ کیا تحریر کروں ۔

تمہارا ! انوار

خط نمبر ۲۳

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم

آج تمہارا اور صابو کا خط بیک وقت ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ حمیدہ! ماشاءاللہ صابو کے خطوط پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اچھا خاصا انشاپرداز حالات قلمبند کرتا ہے۔ حالات اور واقعات کو اس خوش اسلوبی سے سپرد تحریر کرتا ہے کہ موضوع اور تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے مبالغہ آمیزی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اور اُس کا کوئی خط بھی تو ایسا نہیں جو تین چار صفحوں سے کم ہو۔ پڑھنے سے طبیعت پر بوجھ کی جگہ فرحت ہوتی ہے اور بار بار پڑھنے کو دل چاہتا

ہے. شائدتم یہ کہدو کہ میں شفقتِ پدری سے سرشار ہوکر اُس کے خط کی تعریف کر رہا ہوں. حاشا وکلا یقین کرنا کہ میرے تمام دوست صبّابو کے خط کے منتظر رہتے ہیں. اور جب خط پاتے ہیں تو باری باری پڑھ کر تعریف کرتے ہیں. پچھلے ہفتہ جب صبّابو کا خط آیا تو میں ڈیوٹی پر تھا کہ رول کال پر حوالدار میجر صاحب نے میرا نام پکارا. تو جھٹ میرے دوست اخلاق صاحب نے یہ کہہ کر کہ صاحب اُن کا خط مجھے دے دیں میں انہیں پہنچادوں گا. اور خوشی خوشی خط لیکر بیرک میں پہنچے. دُوسرے دن جب صبح کے وقت میں اپنی ڈیوٹی سے واپس آیا تو کہنے لگا بھائی جان آپ کا خط آیا ہے. بھئی ہمیں صبّابو صاحب کے خط پڑھنے کا شوق ہے. لہٰذا حوالدار میجر صاحب سے لے لیا. خط پر پتہ کی تحریر ماشاءاللہ صبّابو صاحب کی معلوم ہوتی ہے آگے اللہ بہتر جانتا ہے. یہ خط ایک پوری رات ہمارے پاس رہا نہ معلوم کتنی مرتبہ خط کو کھول لینے اور پڑھنے کو دل چاہا لیکن کسی کا خط بغیر اجازت پڑھنا معیوب ہے. لہٰذا مجبور رہا. اب آپ آگئے یہ لیجئے خط پڑھیں اور کوئی مضائقہ نہ ہو تو ہمیں

بھی یہ خط پڑھنے کی اجازت دیں۔ ماشاء اللہ صابو کی طرزِ تحریر میں حضرت راشد الخیری۔ عبد الحلیم شرر کی جھلک نظر آتی ہے۔ معمولی قسم کے ناول پڑھنے کی بجائے میاں صابو کے خطوط پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ حمیدہ! صابو نے لکھا ہے کہ میں نے شارٹ ہینڈ اور ٹائپ کا امتحان پرائیویٹ طور پر پاس کر لیا ہے۔ اور میری اس کامیابی پر کمانڈنگ صاحب نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا اور ہنستے ہوئے مبارک باد دی۔ اور کہنے لگے کہ صابو تمہارا بلند خیال اور سپاہیانہ زندگی میں پیش پیش رہنا میرے لیے باعث فخر ہے وہ دن دور نہیں کہ تمہارے سپاہیانہ طور و اطوار تمہیں سپاہی کی آخری منزل پر پہنچا دیں۔ ہم تمہارے کردار سے متاثر ہو کر تمہیں نائک بناتے ہیں۔ اور اُمید کرتے ہیں کہ اپنی سپاہیانہ زندگی کی ایک مثال قائم کرو گے۔ ابا میں کمانڈنگ صاحب کے سامنے اٹینشن پوزیشن میں یہ سب کچھ سنتا رہا اور جب کمانڈنگ آفیسر صاحب نے آخر میں مجھ سے پوچھا۔ کیوں صابو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ تو نہایت ادب سے عرض کی۔ حضور میں ایک سپاہی ہوں اور سپاہی جو کچھ کرتا ہے۔ اپنا

فرض سمجھ کر کرتا ہے۔ حضور نے مجھے جو عزت بخشی ہے اُس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ فرض کی ادائیگی میں اگر جان بھی دینی پڑی تو اپنے لیے فخر سمجھوں گا۔ کمانڈنگ آفیسر صاحب نے صوبیدار میجر صاحب کو اشارہ کیا اور انھوں نے مجھے سیلوٹ کا آڈر دیا اور میرے سیلوٹ کے بعد مجھے لفٹ رن۔ کوئک مارچ کا آرڈر دیا۔ دفتر سے باہر آنے پر مجھے ہالٹ دبہ یک آف کا آرڈر دے کر میرے ار دلی رُوم کا خاتمہ کیا۔ آج پہلی مرتبہ ہمارے صوبیدار میجر صاحب نے میرے سیلوٹ کو سراہا اور کہنے لگے۔ صاحب تو بطور سپاہی تمہاری تمام موؤمنٹ قابل قدر ہیں لیکن آج ار دلی رُوم میں تمہارے سیلوٹ اور بالکل اطمینان سے کمانڈنگ آفیسر صاحب سے بات چیت کرنے پر غور کیا۔ سیلوٹ ایک قابلِ قدر نمونہ تھا اور اٹینشن پوزیشن میں اس قدر اطمینان ایک بڑے حوصلہ کی نشانی تھی۔ حوصلہ اور اطمینان سپاہی کے بہترین زیور ہیں جن سے آراستہ ہو کر جب بھی سپاہی اپنے دشمن سے دوچار ہوتا ہے۔ دشمن شکست فاش کھاتا ہے میں نے بارہا دیکھا ہے

کہ اردلی رُوم میں جب سپاہی آتے ہیں۔ اگر قصور وار ہیں تو اُن کا بُرا حال پسینے سے شرابور۔ زبان تتلاتی ہوئی۔ اٹینشن کا حکم ہے۔ لیکن کبھی دائیں پیر پر کھڑے ہیں اور کبھی بائیں پیر پر زور دے رہے ہیں نہ تسلی سے آفیسر کمانڈنگ کی سنتے ہیں اور نہ اپنی کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر نیک نامی کے طور پر اُن کو اردلی رُوم میں آنا پڑتا ہے تو بھی بوکھلائے ہوئے۔ آگے پیچھے سیلوٹ اچھا کرتے ہیں۔ لیکن اردلی رُوم میں کرنل صاحب کی شکل دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوسان کھو بیٹھے ہیں۔ اور پھر مجھے بیربل اور اکبر کی ایک حکایت سنائی جو واقعی بہت نتیجہ خیز ہے۔ سُنی تو ہزار بار تھی لیکن اُس کا اصل مفہوم آج صوبیدار میجر صاحب کی بات چیت سے معلوم ہوا۔ کہتے ہیں کہ اکبر اور بیربل بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ اکبر بادشاہ نے بیربل سے پوچھا۔ کہ بیربل سب سے بڑا ہتھیار کون سا ہے۔ بیربل جو کہ اپنی حاضر جوابی کی وجہ سے مشہور تھا۔ بولا۔ حضور سب سے بڑا ہتھیار انسان کے اپنے اوسان ہیں۔ بادشاہ متعجب ہُوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ کا ایک ہاتھی مستی میں آ گیا اور باغی ہو کر

شہر میں گھس گیا اور جو چیز سامنے آئی روندنا شروع کر دیا۔ پولیس اور فوج کے سپاہی تلوار، بندوق، نیزوں سے لیس ہاتھی پر قابو پانے کے لیے دوڑے۔ لیکن ہاتھی جس کے سامنے آتا وہ اپنے اوسان کھو کر اپنے ہتھیاروں سے بے نیاز ہو کر بھاگتا کہ سر پیر کی خبر نہ رہتی۔ اس واقعہ کی خبر اکبر بادشاہ کو لگی تو اپنی تلوار لے کر محل سے باہر نکلا اور باغی ہاتھی کا پیچھا کیا اور سامنے جا کر بڑے حوصلہ سے اپنی تلوار کا بھرپور ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر مارا کہ سونڈ کٹ گئی۔ اور ہاتھی چنگھاڑتا ہوا جنگل کی طرف بھاگا اور بے دم ہو کر گر پڑا۔ مخلوقِ خدا کو سکون ملا۔ بادشاہ نے سپاہیوں کا منظاہرہ دیکھا۔ جن کی تلواریں اور بندوقیں بازاروں میں پڑی ہوئی تھیں...... کسی کے گھٹنے چھلے ہوئے ہیں اور کسی کے بھاگتے ہوئے سر دیواروں سے ٹکرا کر خون آلودہ ہیں فوراً سمجھ گیا کہ بیربل نے جو کہا ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔ انسان کے اوسان حقیقت میں ایک بہت بڑا ہتھیار کا کام دیتے ہیں۔

حمیدہ! دیکھا! ماشاءاللہ صابو اپنی سپاہیانہ منازل کس خوش اسلوبی سے طے کر رہا ہے۔ صابو کے خط کا جواب دے رہا ہوں اور

صابو کو مبارک باد دیتے ہوئے اقبالؒ کے اس شعر سے پھر اس کا دل بڑھا رہا ہوں بقولِ اقبالؒ ؎

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لاالٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پناہ لاالٰہ

ماشاء اللہ عشرت نے سکول میں ساتویں کلاس پاس کر لی۔ بیحد خوشی ہوئی۔ بچی کو پڑھنے کا بے حد شوق ہے۔ اور بات بات میں کہتی ہے۔ واہ میرا بھائی فوج میں ہے۔ انشاء اللہ میں تعلیم سے فارغ ہو کر سپاہیانہ زندگی میں بھائی کی ہم رکاب ہوں گی چشم بد دور ماشاء اللہ خیالات میں بلندی ہے۔

بہرحال حمیدہ! عشرت کو سمجھائیں کہ تمہارے خیالات واقعی مسلمان عورتوں کے ہیں۔ لیکن ان خیالات کی تکمیل مسلمان عورت صرف اُس وقت کر سکتی ہے جب وہ سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کی تعلیم کو بھی اپنائے۔ میرا ایمان ہے کہ مسلمان عورتیں قرونِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح سپاہیانہ زندگی میں پیش پیش رہ سکتی ہیں۔ لیکن یہ اُس وقت ہو سکتا ہے کہ مسلمان عورتیں سکول و کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ

تعلیم قرآنی سے بھی آشنا ہوں جو کہ مسلمانوں کو ہر حال میں برابری کے حقوق اور مرد و عورت کو ایک پکا سپاہی بنانے کی کسوٹی ہے۔ اگر قرآن سے بے بہرہ رہیں۔ تو سکول اور کالج کی تعلیم ملک و قوم کے ننگ و ناموس کے لیے ایک خطرہ بن جائے گی جس کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے پروردگار اس ملک و قوم کو عقلِ سلیم عطا فرما۔ اور تمام بُرائیوں سے پاک کر کے منظرِ عام میں سر بلند کر۔ یا اللہ اپنے حبیب کے صدقے اس ملک کی تمام لڑکیوں کو قرآنی تعلیم کا شوق دے تاکہ وہ اپنی خودداری اور ہنرمندی کی راہ اختیار کر کے ملک میں سپاہیانہ زندگی کا پھر دور دورہ کریں" بقول ؎

کل اپنے مریدوں سے کہا پیرِ مغاں نے
قیمت میں یہ معنی ہے دُرِ ناب سے دہ چند
زہر آب ہے اس قوم کے حق میں مئے افرنگ
جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند

اور زیادہ کیا تحریر کروں بچوں کو پیار

تمہارا!

انوار

خط نمبر ۲۴

حمیدہ خوش رہو

السلام علیکم۔

خیریت موجود و خیریت مطلوب

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ ایک اسکیم کے تحت میں فیلڈ ڈیوٹی پر ہوں۔ بوجہ مصروفیت تمہارے خط کا جواب جلد نہ دے سکا خواہ مخواہ پریشان نہ ہو جایا کرو۔ میں ایک سپاہی ہوں اور سپاہی کی مصروفیت صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو سپاہی کے مفہوم سے واقف ہوں۔ حمیدہ! تم میری سپاہیانہ زندگی میں کافی عرصہ ہمرکاب رہی ہو اور اچھی طرح سمجھ سکتی ہو کہ دن رات کے چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں سپاہی اپنی نجی ضرورتوں کے لیے کس قدر وقت دے سکتا ہے۔

صابو پاکستان (فوجی) کھیلوں کے مقابلے میں اوّل رہا۔ بیس میل کی دوڑ میں اوّل آیا۔ اور لونگ جمپ میں بھی اوّل رہا۔ بریگیڈیر صاحب نے انعام تقسیم کیے جب صابو کا نمبر آیا تو بریگیڈیر صاحب نے صابو سے ہاتھ ملایا اور بہت سی باتیں پوچھیں۔ مثلاً تمہاری تعلیم کیا ہے۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟ تمہارا والد کیا کام کرتا ہے؟ صابو متانت سے ہر سوال کا جواب دیتا رہا اور بعد میں انہوں نے اپنی نوٹ بک میں صابو کا نام لکھا۔ صابو نے خط میں لکھا ہے۔ کہ بریگیڈیر صاحب اور اُس کا آفیسر کمانڈنگ جو پاس پاس کھڑے تھے نہ معلوم کیا کیا باتیں کرتے رہے۔ یکایک آفیسر کمانڈنگ نے صابو کو سیلوٹ کا آرڈر دیا اور صابو سیلوٹ کر کے اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ تیسرے دن صابو کو آفیسر کمانڈنگ صاحب نے اپنے دفتر میں بُلایا۔ کھیلوں میں اول آنے کی مبارکباد دی اور کہنے لگے کہ صابو تمہاری خداداد قابلیت اور بے پایاں صلاحیت نے تمہاری ترقی کے راستے کھول دیے ہیں۔ بریگیڈیر صاحب تمہارے کھیلوں کا مظاہرہ دیکھ کر تمہاری مابعد کی تعلیم کے متعلق سُن کر بے حد خوش ہوئے۔ اور مجھ سے تمہارے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں۔ پھر

کہنے لگے کہ کیا کوئی حوالدار کی جگہ خالی نہیں؛ ہم نے بتلایا کہ حوالداری کے لیے جگہ خالی ہے لیکن صابو سے سات آدمی سینئر ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ صابو ہر لحاظ سے قابل ہے اور دوسرے لوگ تعلیمی نقطۂ نظر سے ابھی سکنڈ انگلش۔ سکنڈ رومن اردو اور سکنڈ میپ ریڈنگ پاس نہیں۔ کافی وقت دیا جا چکا ہے۔ لیکن کوئی بھی تو ایسا نہیں جو تعلیمی میعار پر پورا اتر سکے۔ بریگیڈیر صاحب نے بات ختم کرتے ہوئے "حکم دیا" ہم صابو کو حوالدار دیکھنا چاہتے ہیں۔ گو وہ جونیئر ہے لیکن ترقی کا حقدار ہے۔ ترقی ان لوگوں کا حق ہے۔ جو اپنی پوزیشن ترقی کے قابل بناتے ہیں۔ صرف سروس میں سینیئر ہونا ہی ترقی کا معیار قرار نہیں پا سکتا۔ آج ہی صابو کی سفارش کر کے سنٹر کو لکھیں اور جواب آنے پر مجھے اطلاع دیں۔

صابو کو میری طرف سے مبارک باد دیں۔ اب میں تمہیں حوالداری کی مبارک باد پہلے بریگیڈیر صاحب کی جانب سے اور دوسرے اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں"

حمیدہ! صابو نے اپنے خط میں لکھا ہے۔ کہ والد صاحب

میں اپنی اس ترقی پر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور حمیدہ! میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں کیونکہ اس حقیقی ڈرامہ میں گو صابو ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ڈائرکٹر تم ہو جس کی صلاحیت اور ڈائرکشن نے صابو کو شاندار مظاہرے کی توفیق بخشی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی مائیں بچپن سے ہی اولاد کو سپاہیانہ زندگی سے آراستہ کرکے میدانِ عمل میں مظاہرے کے لیے پیش کرتی ہیں۔

حمیدہ! میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔ جس نے مجھے تمہارے جیسی بیوی عطا فرمائی۔ شادی کی تاریخ سے لے کر آج تک حقِ زوجیت ادا کیا۔ اور ماں بننے پر ایک مسلمان ماں بننے کا شرف حاصل کیا۔ اسلامی روایات کو زندہ کرنے کے لیے اپنی اخلاقی اور سپاہیانہ زندگی سے دنیا و آخرت میں نام روشن کیا۔"

حمیدہ! حقیقی معنوں میں تم نے منشأ ایزدی کو پورا کرنے کا پارٹ ادا کیا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب قدرت تمہیں ان کارہائے نمایاں کے انعام سے سرفراز کرے گی۔ اور تمہاری اولاد دَر اولاد مابعد اس ملک و قوم کا ہر فرد تمہارے نام کو عزت و احترام

سے زبان پر لائے گا۔ اور علاّمہ اقبالؒ کے یہ چند اشعار صادق آئیں گے" ۔

کافر ہے۔ مُسلمان تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے۔ تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے، تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کافر ہے،: تو ہے: تابعِ تقدیر مُسلمان
مومن ہے، تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

تمہارا!
انوار

## خط نمبر ۲۵

میرے دل کی محرم حمیدہ

سلام محبت

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ عشرت بیٹی نے قرآن ختم کیا۔ مٹھائی بانٹی گئی۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ قرآن کی تعلیم کے مطابق عمل کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین!

حمیدہ! عشرت کے رشتہ کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے تم نے جو کچھ لکھا ہے حقیقت سے روگردانی کرنا ہے۔ یعنی نذیر احمد گاؤں کا لڑکا ہے۔ گو میٹرک پاس کر لیا ہے۔ لیکن فوج میں سپاہی۔ معمولی تنخواہ پر ملازم ہے اور وہ بھی ملکی حالات کے مطابق نہ معلوم کب جنگ چھڑ جائے اور وہ میدانِ جنگ میں چلا جائے۔

حمیدہ! ناراض نہ ہو جانا۔ میں نے مانا کہ تم ایک ماں ہو اور ماتھا

تمہیں بیٹی کے لیے نہ معلوم کیا کیا آرام و آسائش کے خواب پیش کر رہی ہو گی۔ لیکن حمیدہ یہ نہ بھولو کہ ماتما غلط راستے پر چلا کر اعلیٰ کی حقیقی زندگی کا سُکھ چین ختم کر دیتی ہے۔ اور پھر بارہا دیکھا گیا ہے کہ انسان انسانیت کے جامہ سے نکل کر حیوانیت اور مذہب کی حد سے نکل کر کُفر کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔

بھلا یہ تو بتلاؤ اگر نیظر سپاہی ہے۔ تو کیا میں کرنل تھا جس سے تمہاری شادی ہوئی۔ اور میرے گھر میں کسی چیز کی کمی نظر آئی۔ تمہارا صابو سپاہی بھرتی نہ ہُوا تھا۔ اگر تمہارے صابو کے متعلق شادی کا خیال ہوتا۔ اور لڑکی والے یہ کہتے کہ صاحب صابو فوج میں ایک معمولی سپاہی بھرتی ہُوا ہے تنخواہ تھوڑی ہے اور پھر نہ معلوم کب جنگ میں جانے کا حکم مل جائے۔ اس وقت تمہیں کتنا ناگوار گزرتا۔

حمیدہ! انسان کو دُوسروں کے متعلق بھی وہی باتیں سوچنی چاہئیں۔ جو وہ اپنے متعلق سوچتا ہے۔ اور پھر یہ سوچنا کہ لڑائی پہ جانے سے موت لازمی ہے۔ یہ ایک خیال باطل ہے۔ مذہبی روشنی میں کُفر کا فتویٰ عائد ہو جاتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کے باوجود

ایک سپاہی کی بیوی کے لیے ایسا سوچنا بھی باعثِ شرم ہے۔ کیا قرآن پڑھ کر بھلا دیا۔ یہ نہیں پڑھا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت موت گھر میں بھی نہ چھوڑے گی۔ اور اگر میدانِ جنگ میں موت مقدّر ہے۔ تو میرے خیال میں خوش قسمتی ہے کہ انسان اپنا فرضِ منصبی پورا کرتا ہوا مرے۔ جس سے ملک وملّت کی بھلائی مقصود ہو۔ اللہ ورسولؐ کی خوشنودی کا باعث ہو۔ ہزار زندگیوں سے اچھّی ہے۔

حمیدہ! میرا خیال ہے۔ جیسے آج تک تم نے میرے خیالات سے اتفاق کیا ہے۔ اب بھی عشرت بیٹی کے رشتہ کی بابت عزیزم نظیر احمد کے والدین سے پکّی بات کرکے میرے خیالات کی مطابقت کروگی۔ ہاں صابو میاں کے متعلّق بے حد خوشی کی خبر ملی ہے۔ سُن کر باغ باغ ہو جاؤ گی۔ ابھی عشرت بیٹی کے ختم قرآن کی مٹھائی بانٹی تھی اب بیٹے کی ترقی کی مٹھائی بانٹو۔ یعنی صابو کا خط آیا تحریر تھا کہ برگیڈیر صاحب نے میرے سنٹر کو لکھ کر مجھے اپنے دفتر میں بحیثیت اسٹینو کے لے لیا ہے اور ساتھ ہی میرے (V. C. O.) وی۔سی۔او کمیشن کے لیے سفارش کردی تھی۔ آج صبح ہی صبح مجھے کرنل صاحب نے

اپنے دفتر میں بُلایا اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے۔ صابو تم ہمارے ہاں سے دُور جا رہے ہو جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ لیکن اس بات کی خوشی بھی ہے کہ ہر لحاظ سے ترقی تمہیں پکار رہی ہے۔ بریگیڈیر صاحب کی سفارش پر تمہیں (V.C.O) وی۔ سی۔ او کمیشن مل گیا ہے۔ لاؤ میں اپنے ہاتھ سے تمہارے کندھے پر جمعداری کا نشان یعنی اسٹار لگا دوں یہ کہہ کر اُٹھے اور میرے بازو پہ لگے ہوئے حوالداری کے نشان اُتارے اور کندھے پر جمعداری نشان یعنی اسٹار لگائے۔ مبارک باد دی اور مصافحہ کرتے ہوئے فرمایا" آج سے آپ ہمارے مہمان ہیں۔ شائد اگلے ہفتہ آپ کو یہاں سے جانا ہوگا۔ صوبیدار میجر صاحب کو بُلایا اور حکم دیا کہ جمعدار صابو صاحب کے جانے سے پہلے پوری یونٹ کی طرف سے الوداعی پارٹی کا انتظام کیا جاوے جس کی شان و شوکت اپنی مثال خود ہو" میری طرف سے بطور انعام پارکر کا پن اور یونٹ کی طرف سے اعزازی تحفہ تلوار کا انتظام کیا جاوے۔ ہم اپنے مہمان کو اپنی یونٹ سے بکمال عزت و احترام سے الوداع کہیں گے۔

ابا آخر میں کرنل صاحب کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو بھر آئے اور یہیں سیلوٹ کر کے وی۔ سی۔ او میس میں چلا گیا۔ جہاں پر دوسرے سردار صاحبان کے ساتھ کھانا کھایا اور فارغ ہو کر آپ کو خط لکھنے کے لیے قلم اٹھایا۔ ابا آپ نے سپاہی ہوتے ہوئے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ اب کیا میں عرض کر سکتا ہوں۔ کہ آپ ملازمت چھوڑ کر گھر میں آرام کریں اور دوسرے امور کو سرانجام دیں۔ اُمید ہے کہ میری اس درخواست کو ضرور مان لیں گے۔ اور پھر اب آپ کی سروس بھی تو کافی ہو چکی ہے۔ مجھے شرم آئے گی جب میرے دوست مجھ سے یہ کہیں گے کہ اب تو جمعدار صاحب آپ کے والد قبلہ کو نوکری نہیں کرنی چاہیے۔ بیٹا جمعداری عہدے پر اور باپ غریب بحیثیت نائیک کے کام کرے۔ بہرحال آپ خود ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں

حمیدہ! صابو کو اپنے والدین کی حالت کا احساس ہے۔ لیکن یہ کہ اُسے اپنے والد کو اپنے سے درجہ میں کم دیکھ شرم آتی ہے یہ ایک مضحکہ خیز اور طفلانہ خیال ہے۔ شائد صابو ایک بہترین سپاہی ہو کر بھی سپاہی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہے۔

بہرحال زندگی بخیر صباؔ کو اپنی پوزیشن اور اُس کی پوزیشن مابعد۔ شرم وحیا دفرض کے متعلق آگاہ کروں گا۔ ویسے ہی بتی موجود ہے۔ تیل کی کمی ہے۔ تیل پڑنے پر دیا خُوب روشن ہوگا۔ صباؔ کو میں علم ہے۔ احساس ہے صرف سمجھنے کی صلاحیت کم ہے۔ انشاء اللہ اشارے سے سمجھ جائے گا۔

زندگی بخیر پھر کبھی حالات پر روشنی ڈالوں گا۔"

اور زیادہ کیا تحریر کروں۔ بچوں کو پیار۔

بزرگوں اور پرسانِ حال کی خدمت میں سلام

عرض کر دیں۔

تمہارا!

انوارؔ

## خط نمبر ۲۶

میرے دل کی محرم حمیدؔ

السلام علیکم — خیریت باہمی

تمہارا خط آیا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ خط کی طویل تحریر اور عشرت بیٹی کی شادی کا حال ایک مسئلہ بن گیا۔ نہ معلوم کتنی مرتبہ خط کو پڑھا۔ بہرحال فیصلہ کن خیالات کا اظہار کرنے کے لیے قلم اٹھا رہا ہوں۔ امید ہے۔ حالات گذشتہ کی مانند ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر میرے خیالات کی مطابقت کرو گی۔ الحمد للہ کہ میرے خیالات کی مطابقت کرتے ہوئے عزیزم محمدؐ نیظر اور عشرت بیٹی کا رشتہ تمہیں پسند آیا اور امیری و غریبی کو بالائے طاق رکھ کر ایک

مردِ مجاہد جس کی زندگی کا دارومدار صرف تن کے کپڑے۔ تمام آلائشوں سے پاک صاف اپنے مقدور بھر ہتھیار اوصافِ حمیدہ یعنی حق گوئی محنت شاقہ کی خو۔ عزم و استقلال پر ہے۔ پسند آیا۔

حمیدہ! ہم نے انسانیت کو زندہ رکھنے کے لیے قدم اٹھایا ہے۔ انسانیت ضرور ہمارا ساتھ دے گی۔ اللہ و رسولؐ کی خوشنودی کو مدِ نظر رکھا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ رحمتِ حق ہمیں آغوش میں جگہ نہ دے۔ انشاء اللہ اونچی اونچی کوٹھیوں۔ وسرمایہ داروں سے رشتہ کرنے والے عشرت بیٹی اور گاؤں کے غریب۔ فوج کے ایک ادنیٰ سپاہی محمد نظیر کی ازدواجی زندگی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھیں گے اور کفِ افسوس مل کر کہیں گے کہ کاش ہم نے بھی امیری وغریبی کے خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ نہ دی ہوتی۔

حمیدہ! کیا نادرہ کے رشتہ کو بھول گئیں۔ کیسے ہوا اور پھر اس کا کیا حشر ہوا؛ نادرہ غریب گھر کی لڑکی۔ لڑکا ایف۔ اے پاس اکاؤنٹنٹ آفس میں سپرنٹنڈنٹ۔ ساس جس کی زندگی خاوند کی وفات کے بعد عیش پسندی میں گزری۔ وہ کیسے برداشت کرتی کہ اس کے

گھر میں کوئی غریب لڑکی بہو بن کر آئے۔ ہر وقت بیٹے کو اُکسانا شروع کیا۔ بیٹا کیا فاقہ زدوں کے ساتھ رشتہ کیا ہے۔ ماشاء اللہ پڑھے لکھے ہو تین سو روپے ماہوار کے مُلازم ہو۔ بڑے بڑے گھروں سے رشتے مل سکتے ہیں۔ چھوڑو اس کا پیچھا۔ بیٹا چھ سال ازدواجی زندگی گزارنے پر آخر بیٹا تھا ماں کی باتوں میں آ گیا۔ اور غریب نادرہ کی تمام باتوں میں نقص نکالنے لگا۔ ماں نے اپنے ہتھکنڈے دِکھا کر غریب کی جان لینے کی سوچی۔ بہرحال غریب نادرہ کو معہ اپنی تین سالہ بچی کے اپنے ماں باپ کے ہاں زندگی کے دِن گزارنے پر چھوڑ دیا۔ اور خود امیر گھرانے میں شادی اور ہزاروں اور لاکھوں کے جہیز کے خواب دیکھنے میں مصرُوف ہو گیا۔ اور آخر کار ایک امیر گھرانے میں شادی کی۔ پھر کیا ہوا حمیدہ میری قلم میں طاقت نہیں کہ بیان کر سکوُں اور خوُد بھی سب کچھ جانتی ہو۔ حالات کس حد تک بگڑے کہ اللہ کی امان۔ خدُا دشمن کو بھی بچائے۔

ہاں! کیا اپنے گاؤں کے نمبردار صاحب کے لڑکے اور ذیلدار صاحب کی لڑکی کی شادی بھوُل گئیں۔ نمبردار صاحب کے ہاں

اکلوتا لڑکا۔ ذیلدار صاحب کی اکلوتی لڑکی۔ دونوں باعزت زیلدار،
لڑکے۔ لڑکی کی شادی رچائی۔ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے
کے لیے جو کچھ زندگی کی جمع پونجی تھی وہ لگا دی۔ اور اس پر بھی بس
نہ کی دونوں طرف سے زمینیں گروی رکھی گئیں۔ سود پر روپیہ حاصل
کیا اور شادی سے فراغت پائی۔ دو چار ماہ تو خاموشی سے گزرے اور
بعدازاں قرضخواہوں کے تقاضے شروع ہو گئے اصل تو کیا دیتے
سود ہی دینا مشکل ہو گیا۔ زمینوں کی آمدنی سے محروم ہو گئے مقدمے
بازیاں ہوئیں۔ گھربار اور زمینیں تک قرق ہوئیں۔ بیٹے والے کہتے
کہ لڑکی منحوس ہے۔ جب سے گھر میں آئی ہے۔ گھر اجڑ گیا اور لڑکی والے
کہتے لعنت ہو ایسی نمبرداری پر آپ تو ڈوبے تھے۔ ہمیں بھی ڈبویا
لڑکی نے ایک دن گھر میں آرام نہ پایا۔

قصہ مختصر صرف تین سال کے بعد نفرت اس قدر بڑھ گئی کہ ایک
دوسرے کے خون کے پیاسے۔ رشتے منقطع اور عزت کا جنازہ
نکل گیا۔ جہاں تین سال قبل نمبردار چراغ علی صاحب اور ذیلدار
منصب دار علی صاحب کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

بمصداق ہندی مقولہ:۔ بابا تیرے تین نام۔ پرسو۔ پرسا۔ پرس رام لاکھ کا گھر خاک ہو گیا۔ عزت و آبرو گئی۔ بیٹے بیٹی کی زندگی تباہ کی۔ یہ ہے امیرانہ رشتوں اور اُن کی اندھی تقلید کرنے والوں کا حشر۔

لہذا اب تم خود عقلمند ہو کہ تمہارا یہ لکھنا کہ بیٹی عشرت کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہونی چاہیئے۔ اللہ رکھے لوگ کیا کہیں گے کہ بیٹا فوج میں جمعدار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیٹا جمعدار ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ ماں باپ کی اندھی تقلید کا خمیازہ بھگتے اور ہر روز قرض خواہوں کو کبھی سود اور کبھی اصل ادا کر کے اپنے دل و دماغ پر بوجھ لادنے اور اُکتا کر ایک دن یہ کہہ بیٹھے۔ ماں باپ نے لڑکی کی شادی کی اور لڑکے کو زیر بار کر دیا۔

حمیدہ! کان کھول کر سن لو میں کبھی بھی اس قسم کی بربادی کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ غلہ کی گرانی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے میں کبھی بھی ایسی غلطی نہ کروں گا۔ کہ بلیک میں اناج و خوردنی اشیاء خرید کر سینکڑوں غریب غُربا کا پیٹ کاٹوں اور بعد ازاں نمبردار چراغ علی اور ذیلدار منصب دار صاحب کی طرح مقروض ہو کر

ان ہی برادری والوں کی نظر میں تماشہ بن جاؤں۔ پھر حمیدہ! یہ تو خیال کرو۔ کہ ہم پر ذمہ واریاں کس قدر ہیں۔ عشرت بیٹی کی شادی سے فراغت پا کر ماشاءاللہ شفقت بیٹی کا خیال کرنا ہے۔ مابعد صابر کو میاں کا بھی خیال کرنا ہے۔ ماشاءاللہ اب وہ ایک آفیسر ہے۔ پچھلے ہفتے خط آیا تحریر تھا کہ:۔

والد صاحب آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔ بریگیڈیر صاحب کے ساتھ بحیثیت جمعدار اسٹینو کے کرتے ہوئے چھ ماہ ہو گئے۔ کہ یکایک ایک دن بریگیڈیر صاحب بہت خوش خوش دفتر آئے۔ اور حسبِ معمول مجھے دفتر بلایا۔ ہنستے ہوئے فرمانے لگے:۔ جمعدار صاحب! ہماری ترقی کے آرڈر آ گئے ہیں اور ہم میجر جنرل ہو کر کسی ڈویژن میں چلے جائیں گے۔ تمہاری خدمات ایسی نہیں ہیں کہ تمہاری ترقی کا خیال ہمارے دماغ میں نہ آئے۔ جانے سے پیشتر ہم تمہیں ایک آفیسر دیکھنا چاہتے ہیں۔ بہرحال ہم نے تمہاری پرمانٹ کمیشن کے لئے سفارش کر دی ہے۔ انشاءاللہ امید ہے کہ عنقریب ہی تمہارے لیے آرڈر آ جائے گا اور جہاں بھی رہو

مجھے اپنے متعلق لکھتے رہنا۔ شاید ہم کبھی تمہاری مدد کرسکیں۔

ابا! آج صبح ہی دفتر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ میں پرمانینٹ کمیشن کے لیے سلیکٹ کر لیا گیا ہوں اور مجھے اس ماہ کی پندرہ تاریخ کو 1/8 PUNJAB (فسٹ ایٹ پنجاب) میں رپورٹ کرنی ہے

اب مجھے خط 2ND LET, SABOO (سکنڈ لفٹننٹ صابو) کے نام سے بھیجیں۔

ابا! دنیا میری ترقی کا راز کچھ بھی سمجھے لیکن میں جو کچھ سمجھتا ہوں وہ صرف آپ کی نصیحت۔ کہ بیٹا سگرٹ نوشی تمام بری عادتوں کی جڑ ہے۔ میں نے اس سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ اور ہمیشہ پرہیز کرونگا اور آخر بریگیڈیر موصوف جہاں میری علمی قابلیت اور ڈیوٹی کی پابندی سے خوش ہوئے وہاں اس بات سے بھی بے حد خوش ہوئے جبکہ ایک دن اپنے بنگلہ پر مجھے کچھ کام کے سلسلہ میں بلایا۔ ایک بہت لمبی رپورٹ تیار کرنی تھی۔ بریگیڈیر صاحب بولتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ اس دوران میں نہ معلوم انہوں نے کتنے سگرٹ پیئے۔ رپورٹ کے مکمل ہونے پر کافی عرصہ باتیں کرتے رہے اور

سگرٹ سُلگاتے ہوئے میری طرف بھی سگرٹ کیس بڑھایا۔ میں نے عرض کی کہ معاف کیجئے میں سگرٹ نوشی سے مُبّرا ہوں۔

متعجب ہو کر فرمانے لگے۔ کیا کبھی نہیں پیا؟ میں نے عرض کی کہ جی میں نے کبھی نہیں پیا۔" فرمانے لگے" آخر اس قدر پرہیز کیوں؟" میں نے عرض کی کہ پرہیز اس لیے ہے کہ والدِ بزرگوار نے ہمیشہ نصیحت کی ہے۔ کہ سگرٹ نوشی تمام بُری عادتوں کی جڑ ہے۔ ہنستے ہوئے فرمانے لگے" کہ جمعدار صاحب آپ ایک بُہت بڑے کردار کے مالک ہیں۔ اور انسان کی عزت ہمیشہ اُس کے کردار سے ہوتی ہے۔ ہمیں تمہارے متعلّق یہ معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی۔ انشاء اللہ تمہارا کردار تمہیں بُہت بلند لے جائے گا۔"

حمیدہ! یہ سب تُمہارے کردار کی بدولت ہے۔

بقولِ اقبالؒ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے۔ نہ ناری ہے

تُمہارا! انوار

## خط نمبر ۲۷

میرے دل کی محرم حمیدہ

اَلسّلامُ علیکم !

تمہارا خط آیا حالات سے آگاہی ہوئی۔ عشرت بیٹی کی شادی کے فوراً بعد خرچ اخراجات کی تفصیل پوری طرح سے معلوم نہ ہو سکی۔ اور میں اپنی ڈیوٹی پر چلا آیا۔ بہرحال تمہارے خط سے شادی کے خرچ اخراجات کی تفصیل معلوم ہوئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بکمال عزت و احترام اس کارِ خیر سے فراغت پائی۔ شادی۔ بیاہ کی مصروفیات۔ مہمانوں کی چہل پہل اور اُن کے خورد و نوش کے انتظام سے صابو میاں گھبرا گئے تھے۔ مجھے یاد ہے بارات کو

الوداع کرتے ہوئے کہنے لگے"

آبا اس قدر انتظامات پر میرا خیال ہے کہ کم و بیش پانچ سات ہزار سے کیا کم خرچ آیا ہو گا۔ گو میں اب ایک آفیسر ہوں۔ اور اپنی تنخواہ سے بمشکل تمام والدہ کو سو روپے ماہوار بھیجتا رہا ہوں۔ اور یہی سو روپے ماہوار بمشکل تمام بحیثیت جمعدار کے بھیجتا تھا۔ حالانکہ خدانخواستہ مجھے کسی طرح سے بھی فضول خرچی کی عادت نہیں۔ بحیثیت جمعدار ہونے کے پچاس رُوپے ماہوار جس میں اپنا رکھ رکھاؤ اور پوزیشن کے مطابق خرچ اخراجات کرتا تھا اور اب میں آفیسر ہوں پانچ سو رُوپے تنخواہ ہے میری عادات میں وُہی سادگی اور ہر لحاظ سے اپنی پوزیشن کا خیال رکھنا بدستور ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا۔ بحیثیت آفیسر تمام کوششیں کرنے کے باوجود میں والدہ کو ایک سو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں بھیج سکا۔ وُہ آفیسر جو اپنی فیملی ممبروں کے ساتھ رہتے ہیں۔ معلوم اپنے خرچ اخراجات سے کیسے کفیل ہوتے ہیں۔ اور اپنی پوزیشن کو کیسے برقرار رکھتے ہیں۔

بہرحال اس شادی پر جو اخراجات ہوئے ہیں۔ میری سمجھ سے باہر ہیں۔ آخر یہ کہاں سے آیا آپ تو ہمیشہ قرض سے کوسوں دُور بھاگتے ہیں کیا والدہ نے کسی سے قرض لے کر انتظام کیا ہے۔

حمیدہ! مجھے صابو کی گفتگو پر ہنسی آگئی۔ اور میں نے سمجھایا بیٹیا جو کچھ بھی ہوا ہے۔ وہ سب حالات کے مُطابق بالکل جائز خرچ ہوا ہے۔ باقی قرض کا سوال تمہاری والدہ کا خیال ضرور تھا۔ کہ عشرت بیٹی کی شادی ایسی دھوم دھام سے کروں گی کہ گاؤں والے ایک دفعہ تو حیران ہو جائیں۔ کہ اس قدر جہیز اور اس قدر براتی اور پھر شادی کے تمام لوازمات کی شان و شوکت۔ مجھے کیا پرواہ ہے۔ میرا بیٹا ایک آفیسر ہے۔ لیکن میں نے تمام بُری رسُوم اور اندھی تقلید کی پُرزور مخالفت کی۔ اور تمہاری والدہ کو تمام لغو اخراجات کے نتائج سے آگاہ کیا۔ بس پھر نہ پوچھو اپنی غلطی پر نادم ہوئیں۔ اور میری تجویز کے مُطابق تمام شادی کے پروگرام کی دوبارہ نظرِ ثانی کی اور جس قدر غیر ضروری باتیں نظر آئیں، ان سے کنارہ کیا اور ایسے تمام اخراجات سے ہاتھ روک لیا۔

تمہارا پانچ سات ہزار کا اندازہ بالکل غلط ہے گو اس وقت تمام اخراجات کی تفصیل معلوم کرنی مشکل ہے. بہرحال ذرا اطمینان کے بعد تمہیں اخراجات سے آگاہ کر دوں گا. میرا اندازہ میرے مرتب کیے ہوئے پروگرام سے کسی صورت بھی زیادہ نہیں۔ اور وہ ڈھائی ہزار ہے ہو سکتا ہے کہ سو یا دو سو کم یا بیش خرچ ہو گیا ہو لیکن تسلی رکھو قرض ایک پائی بھی نہیں لی گئی اور گھر کی پوزیشن کا خیال رکھتے ہوئے۔ جمع پونجی میں سے بھی اس قدر پس ماندہ ہے۔ کہ ضرورت پڑنے پر کسی کا دستِ نگر نہ ہونا پڑے۔ لیکن یہ سب کچھ تمہاری والدہ کی دُور اندیشانہ طبیعت کا ثمرہ ہے۔ ورنہ اتنا بڑا کام ڈھائی ہزار رُوپے کی بجائے تمہارے اندازہ کے مطابق ضرور پانچ سات ہزار رُوپے سے کم میں نہ ہوتا۔

بہرحال حمیدہ! تمہارا خط بجنسہٖ میں صابو میاں کو بھیج رہا رہا ہوں۔ تاکہ اُسے بھی معلوم ہو جائے کہ ایسے کاموں میں اخراجات کس طرح سے کیے جاتے ہیں۔

حمیدہ! عشرت بیٹی کی شادی کے موقع پر صابو میاں سے اُن کی شادی کے متعلق اشارتاً بات چیت شروع کی تو بڑی

متانت سے کہنے لگے کہ اباّ ابھی بہت سی ذمہ داریاں باقی ہیں۔ ابھی شفقت آپا کا فکر کریں اور پھر ابھی اسی سال میری ترقی کا امتحان (PROMOTION EXAMINATION) ہے جب تک یہ امتحان پاس نہ کروں گا۔ لفٹنٹ سے کیپٹن نہ بن سکوں گا۔ لہٰذا ہر طرح سے تیاری کر رہا ہوں۔ دُعا کیجئے اللہ پاس کر دے۔ میری شادی وغیرہ کے متعلق آپ فکرمند نہ ہوں۔

حمیدہ! میں چاہتا تھا کہ صباؔو سے پوچھوں کہ میں بحیثیت باپ ہونے کے اس کی شادی کی فکر کیوں نہ کروں۔ لیکن حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ آج کل کے نوجوان فوج میں آفیسر بن کر ملک کی ہر چیز میں نقص نکالنے لگ جاتے ہیں۔ کپڑا اگر پہننا ہے تو ولایتی۔ ضروریات زندگی کی کوئی چیز بھی درکار ہو تو ولایتی۔ حتیٰ کہ شادی۔ بیاہ کے متعلق بھی ولایت کی سرزمین کو دیکھتے ہیں۔ گو مجھے اپنے صباؔو پر ہر طرح سے بھروسا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ صباؔو میاں ایک آفیسر ہیں۔ لیکن اپنے والد کے سامنے آنکھ تک اٹھا کر بات نہیں کرتے۔ اور

بلا اجازت کوئی بھی ایسا کام کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ جہاں والدین کی رضا و رغبت ضروری ہو۔ پھر بھی اُس کی طرف سے ہمیں بے فکر نہ رہنا چاہیئے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میاں صابو کے دماغ میں مغربیت گھر کر جائے۔ آباؤ اجداد کی عزت کیساتھ ساتھ ملک و قوم کے وقار کو بھی بٹا لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے انسانوں کو یکساں پیدا کیا ہے، لیکن ہر ملک کے رسم و رواج خیالات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ازدواجی زندگی میں ہم خیال ہونا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جس قوم کے خُون میں آمیزش پیدا ہو جائے اُس قوم کا سپاہیانہ جوش ختم ہو جاتا ہے۔ جس قوم میں سپاہیانہ جوش ختم ہو جائے وُہ قوم ملک گیری کے ناقابل ہو کر محکوم ہو جاتی ہے۔ میں ہر وقت دُعا کرتا ہوں کہ خُدایا میرے ملک و قوم کو اس قسم کے بُرے تاثرات سے محفوظ رکھ۔

حمیدہ! تم نے اچھا کیا کہ خط میں یہ تحریر کر دیا کہ ماشاءُ اللہ صابو ایک آفیسر ہے لڑے میں حال ہی میں نائیک سے حوالدار ہُوا۔ مُبادا وہ ہمارے خیالات کی مخالفت کرنی شروع کر دے۔ صابو

نے بھی ایک دفعہ مجھے تحریر کیا تھا کہ ،، ابا آپ کی دُعا سے اور اللہ کے فضل وکرم سے اب میں فوج میں جمعدار ہو گیا ہوں جب میرے دوست مجھ سے آپ کے متعلّق پوچھیں گے تو مجھے شرم آئے گی لہذا اب آپ سروس چھوڑ کر گھر پر آرام کریں۔

حمیدہ! میں نے بواپسی ڈاک اُس کے خیالات کی وضاحت کر دی تھی۔ اور آج تمہیں تحریر کر رہا ہُوں۔ اُمید ہے ضرور میرے خیالات کی تائید کرو گی۔ میں ایک حوالدار ہُوں اور میرا بیٹا فوج میں آفیسر ہے۔ لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ میں پہلے باپ ہُوں اور باپ اور اُستاد کا رشتہ ہی ایک ایسا رشتہ ہے جہاں ہمیشہ اُولاد و شاگرد کے متعلق یہ تمنّا ہوتی ہے۔ کہ وُہ عملی دُنیا میں اپنے ہر مدِّ مقابل پر سبقت لے جائے۔ شاگرد اُستاد سے کسی قدر بھی علم و ہنر میں بڑھ جائے لیکن اگر شاگرد ہے تو اُستاد کے آگے ضرور سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔

لہذا اگر صابو میری اولاد ہے تو اُسے میرے سپاہی ہونے پر فخر کرنا چاہیے جس کے سپاہی ہوتے ہوئے صابو میں ایک آفیسر ہونیکی

صلاحیت پیدا کی۔ اس کو اپنے دوستوں میں میرے متعلق بات چیت کرتے ہوئے شرم نہیں بلکہ فخریہ میری سپاہیانہ زندگی کی تعریف کرنی چاہیئے۔

باقی رہا سروس چھوڑنے کا۔ اس میں شک نہیں کہ میں سروس کا معاوضہ پاتا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حلف اٹھا کر اقرار کر چکا ہوں۔ کہ خدائے بزرگ و برتر کو حاضر ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ جب تک میرے افسران بالا و ملک و ملت کو میری سروس کی ضرورت ہے۔ منہ نہ موڑوں گا۔ اور جہاں جہاں خشکی و تری میں جانے کا حکم ملے گا۔ بصد شوق اُس کی تعمیل کروں گا۔ حمیدہ! مجھے پوری توقع ہے کہ آئندہ اپنے دماغ میں ایسے پست خیالات کو جگہ نہ دو گی۔ بقولِ اقبال رح:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے،
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔

زندگی بخیر صابو کے خط آنے پر حالات سے مطلع کروں گا۔"

تمہارا - انوار

خط نمبر ۲۸

میری حمیدہ —

سلام مسنون۔

نصرت بیٹی کے حالات پڑھے کہ وہ خانگی امور میں اپنی ساس سے اُلجھ پڑیں۔ اور ناراضگی میں اپنے خاوند کی بلا اجازت تمہارے پاس آگئیں اس میں شک نہیں کہ شریف لڑکیوں کے لیے زندگی میں صرف دو گھر مخصوص ہیں۔ شادی سے پہلے ماں۔ باپ کا گھر اور شادی کے بعد خاوند کا گھر۔ صرف اسی ایک بات پر خاندانی شرافت اور زندگی کے خوشگوار ماحول کا انحصار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نصرت بیٹی کن حالات سے دوچار ہے۔ ماشاء اللہ اب

وُہ شادی شدہ ہے۔ دو بچوں کی ماں ہے۔ معمولی سی بات میں ناراض ہو کر خاوند کے گھر سے منہ موڑ کر ماں باپ کے گھر بیٹھ جانے میں اُس کی عزت کہاں تک ہے۔ اور اُس کے خاوند اور اُس کے ماں باپ کی عزّت کہاں تک ہے۔ اختلاف رائے ہر ایسی جگہ میں لازمی امر ہے۔ جہاں پر ایک سے زائد افراد کارفرما ہوں۔ اگر اختلاف رائے پر گھر سے علیحدگی اختیار کر لی جائے تو یہ سب خاندانی وقار و عقلِ سلیم کے منافی ہو گا۔ اور پھر اس کے نتائج کس قدر مُہلک ہوں گے کہ خُدا دشمن کو بھی بچائے۔ اختلاف اُس وقت تک ہیں جب تک اُن کا معاملہ آپس میں ہے۔ جب ان اختلافات میں کسی دوسرے کا دخل ہو جائے تو اختلاف نہیں بلکہ خلفشار کی صورت اختیار کر جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ ہمیشہ بربادی ہے۔ نصرت بیٹی کو سمجھائیں کہ یہ اُس کا اپنا معاملہ ہے۔ اور وُہ خود مختار ہے کہ اپنے معاملہ کو اپنے طور پر سلجھائے۔ اگر اُس نے غصہ کی آگ میں حالات کو ہوا دی تو بجائے اس کے کہ دونوں گھروں کی عزّت و آبرو پر حرف آئے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو گا۔

فوراً اپنے گھر جاتے اور ٹھنڈے دِل سے حالات کا جائزہ لے کر اپنے خاوند اور اہل خانہ کو رضامند کرے۔ اور اس بات کا لحاظ رکھے کہ اب وہ ہماری بیٹی ہی نہیں بلکہ کسی کی بیوی اور کسی کی بہُو ہے۔ خوش کُن ماحول میں اُس کا ہمارے گھر رہنا باعثِ عزت و مسرت ہے لیکن ناراضگی کی صورت میں ہمارے لیے باعثِ بدنامی ہے۔ وُہ ماشاء اللہ عاقل ہے۔ بالغ ہے تدبّر سے کام لے۔ اور علم و ہنر کی روشنی میں اپنے بگڑے ہوُئے ماحول کو سدھار کر ہر دونوں خاندانوں کی عزّت و آبُرو کا باعث بنے۔ بقولے ؎

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

حمیدہ! اگر صابر کو خط لکھو تو سوائے خیر و عافیت کے اور کچھ نہ لکھنا۔ نصرت کے جھگڑوں کا اُس کی ذات سے دُور کا بھی واسطہ نہیں خوا مخواہ اپنے دِل و دماغ پر بوجھ محسوس کرے گا۔

کل اُس کا خط آیا تحریر یہ تھا کہ ابّا اللہ کا فضل شامل حال ہے۔ آپ کی دُعا سے مَیں اپنے (PROMOTION EXAMINATION) پرموشن

ایگزیمینیشن میں پاس ہو گیا۔ اور دس دن کے بعد ہی میری ترقی کا آڈر آ گیا۔ اب میں کیپٹن ہوں۔ میرے کمانڈنگ آفیسر صاحب میری بھرتی کے وقت کمپنی کمانڈر تھے جن کی کمانڈ میں رکروٹ بھرتی ہو کر آیا تھا آج وہ کرنل ہیں مجھے کیپٹن دیکھ کر اتنا خوش ہوئے کہ میرے کندھے پر اپنے ہاتھ سے پھول لگائے۔ اور شام کو کھانے پر اپنے بنگلہ پر مدعو کیا۔ کھانے کا وقت ساڑھے آٹھ (۸½) بجے مقرر تھا۔ اور بھی آفیسر مدعو تھے۔ جو وقت مقررہ سے پون گھنٹہ پہلے سی ہی پہنچ کر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جب آٹھ بج کر پچیس منٹ پر میں وہاں پہنچا تو سب کے سب اچھل پڑے۔ کہ "کیپٹن صاحب آ گئے" سب نے باری باری دیر سے پہنچنے کی وجہ پوچھی اور میں یہ کہہ کر ٹالتا رہا کہ میں ٹھیک وقت پر آیا ہوں۔ ۸½ بجے کا وقت دیا گیا تھا اور میں پانچ منٹ پیشتر پہنچ گیا ہوں کرنل صاحب ہنستے ہوئے آئے اور کہنے لگے:۔

کہ صاحب سچ بتلاؤ کہ آخر ایسی کیا مصروفیت ہے کہ گھنٹہ دو گھنٹہ قبل نہ آ سکے یہ دیکھئے یہ سارے آفیسر جن کو مدعو کیا گیا ہے۔ حاضر ہیں اور عرصہ سے تمہارے انتظار میں بے چین ہیں"۔

میں نے عرض کیا کہ آپ اوّل تا آخر جانتے ہیں۔ میں جھوٹ بولنا گناہ سمجھتا ہوں۔ ۸½ بجے کھانے کا وقت ہے۔ اور پونے آٹھ بجے عشا کی نماز کا وقت تھا۔ کیونکہ مسجد ہماری قیام گاہ سے بالکل ملحق ہے۔ لہذا باجماعت نماز پڑھنے کا اکثر اتفاق ہوتا ہے۔ آج قبلہ مولوی صاحب امام مسجد بوجہ کمزوری طبیعت ذرہ دیر میں آئے اور پھر وضو کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دل تو چاہتا تھا کہ امام صاحب سے کہدوں کہ آج مجھے کرنل صاحب کے ہاں کھانے پر مدعو کیا گیا ہے۔ ذرہ جلدی کریں۔ لیکن اپنے کھانے کے معاملہ کو مذہبی فریضہ پر مقدّم کرنا پسند نہ آیا۔ اور پھر امام مسجد صاحب سے اس معمولی بات پر ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔

بہر حال اطمینان سے باجماعت نماز پڑھی۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو سوا آٹھ بجے تھے فوراً کپڑے بدلے اور آپ کے ہاں حاضر ہو گیا الحمدللہ مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے پہنچ گیا ہوں۔

ابّا! میں نے دیکھا کہ میری گفتگو کا کرنل صاحب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ مانند ایک بت بنے سنتے رہے اور میری خاموشی پر

یکایک چونک کر کہنے لگے صابو تم نے آج میری آنکھوں سے ایک پردہ اٹھا دیا ہے۔ تمہاری باعمل زندگی نے مجھے وہ علم سکھا دیا جو سینکڑوں کتابیں پڑھ کر بھی نہ سیکھا تھا۔ اور اس علم کی بدولت مجھے اسلام اور سپاہی کا رشتہ معلوم ہو گیا۔ تم ایک مجاہد ہو۔ دعا کرو کہ اللہ مجھے بھی ایسی سپاہیانہ و مجاہدانہ زندگی کی توفیق دے۔ اور فوراً وضو کیا اور عشا کی نماز کے لیے سربسجود ہو گئے۔

وہ نماز میں کھڑے تھے اُن کی عجز و انکساری سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کرنل صاحب نے حقیقت میں خدا کو پہچان لیا ہے اُن کا جسم کانپ رہا تھا اور اُن کی حقیقی نماز سے تمام آفسران پر ایک رُعب طاری تھا اور ہر فرد اپنی اپنی حالت پر نادم تھا۔

بہر حال میں نے دیکھا جس قدر بھی آفیسر اِس روز دعوت میں موجود تھے سب کے سب نمازی۔ اور اپنی اپنی ڈیوٹی سے حقیقی معنوں میں واقف ہو گئے۔"

حمیدہ! دیکھا صابو کی زندگی سے کتنی زندگیاں سبق لے رہی ہیں۔"

تمہارا! انوار۔

خط نمبر ۲۹

میرے دل کی محرم حمیدہ

سلام محبت

تمہارا خط آیا حالات سے آگاہی ہوئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نصرت و عشرت بیٹی بمعہ اپنے بچوں کے خیریت سے تمہارے پاس پہنچ گئیں۔ میاں ارشد و نظیر کے خط ملے۔ تحریر تھا کہ بچوں کو روانہ کر دیا گیا ہے۔ اور شفقت کی شادی سے چند روز پہلے حاضر خدمت ہوں گے۔ انشاء اللہ میں بھی شادی کی تاریخ سے دو ہفتہ پہلے چھٹی لے کر پہنچ جاؤں گا۔ صابو میاں کے لیے ابھی چھٹی ملنی ذرا مشکل ہے۔ بہر حال ان کے خط کے مطابق وہ انشاء اللہ ایک دن

پہلے پہنچ جائیں گے۔ حمیدہ! شفقت بیٹی کی شادی کے موقع پر
تمام گاؤں والوں کی دعوت کے متعلق پڑھ کر مجھے تعجب ہوا۔ حالانکہ
عشرت بیٹی کی شادی پر بھی تم مصر تھیں کہ شادی کی دھوم دھام
اس طرح سے ہوگی اور خرچ اخراجات اس طرح سے شاہانہ ہونگے
میں نے مانا کہ اب تمہارا بیٹا ماشاء اللہ فوج میں افسرِ اعلیٰ ہے۔ اور
ایک ہزار روپے تنخواہ پاتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ
ہماری زندگی کی ابتدا انسانیت سے ہوتی ہے۔ اگر زندگی کا اخیر
انسانیت پر نہ ہوا تو ہماری زندگی پر ایک سیاہ داغ پڑ جائے گا۔
جو کہ ابد الآباد تک بھی نہ دُھل سکے گا۔ گاؤں کے چار پانچ ہزار
افراد ایک یا دو وقت کھانا کھا کر تعریف ضرور کریں گے۔ صرف
وقتی طور پر اور وہ بھی۔ میاں گھر کی زمینداری۔ بیٹا افسرِ اعلیٰ نہ معلوم
کہاں کہاں سے سامان آیا ہے۔ صرف اپنی بڑائی ظاہر کرنا مقصود
ہے۔ ورنہ کل کی بات ہے۔ معمولی آدمی تھے۔ افسوس اتنا زرِ کثیر
خرچ کر کے بھی ہم انسانیت کو نہ اپنا سکے۔ برعکس اس دعوت پر خرچ
کرنے کے اگر یہی پانچ دس ہزار روپے ہم کسی تعمیری کام پر خرچ

کریں جس سے انسانیت کی خدمت ہو تو ابدلآباد تک لوگ تعریف کریں گے۔ اُمید ہے کہ تم میرے خیالات سے ضرور متفق ہوں گی۔

ہمارے گاؤں میں چھوٹا سا سرکاری ہسپتال ہے جو کہ صرف دو کمروں پر مشتمل ہے۔ ایک میں ڈاکٹر صاحب نے ڈسپنسری بنا رکھی ہے اور دوسرے کمرے میں ادویات کا سٹور اور ہسپتال کی دُوسری چیزیں پڑی رہتی ہیں۔ اتنا بڑا گاؤں اور ہسپتال کا یہ حال ہے کہ گاؤں بھر میں ایک کریمہ دائی ہے۔ کہ سارا دن ماری ماری پھرتی ہے۔ ابھی اللہ کا فضل ہے کہ بڑی ہوشیار دائی ہے۔ لیکن غریبوں کے گھر۔ نہ گھر صاف اور نہ گھر والے صاف۔ اب اگر ڈلوری کیس خراب ہو کر موت واقع ہو جائے تو کریمہ بیچاری کا کیا قصور۔ اب اگر اس دعوت کی بجائے وہ روپیہ ڈسپنسری کے ساتھ عورتوں کے لیے بطور زچہ خانہ ایک کمرہ بنانے پر خرچ ہو تو غربا کو کس قدر آرام ہو جائے بعد ازاں افسرانِ بالا کو درخواست کی جا سکتی ہے۔ کہ وہاں پر کوئی تربیت یافتہ نرس کا انتظام کر دیا جائے۔

حمیدہ! زچہ خانہ تم بنوا دو۔ میں صاحب سے کہوں گی کہ وہ

ایک آفیسر ہوتے ہوئے افسرانِ بالا سے ملے اور نرس کا انتظام کرائے۔ شاید حمیدہ! اب تم یہ کہدو کہ کیا دُنیا کا ہم نے ٹھیکہ لیا ہے۔ یہی کہوں گا ہاں ہم ٹھیکیدار ہیں۔ ملکی حالات کے مطابق ہم حکومت میں برابر کے شریک ہیں۔ انسانیت کے علم بردار ہونے کی وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم انسانیت کی خدمت کریں اور ہمارے خرچ اخراجات انسانی فلاح و بہبودی کے لیے ہوں۔

صبا کو میاں کا خط آیا۔ تحریر تھا کہ آبا ملک میں منافع خور عنصر بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے غذائی صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا فوج کو اناج کے کنٹرول کا اختیار ملا ہے اور میں بحیثیت مجسٹریٹ کے اپنی بٹالین لے کر گیا ہوا تھا ایک ماہ کے اندر ڈھائی لاکھ من اناج ذخیرہ اندوزوں سے نکال کر غریبوں میں تقسیم کیا۔ اور اس دوران میں اس قدر انسانیت سوز واقعات رُونما ہوئے کہ اللہ کی پناہ۔ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ غریب اناج کے لیے سرگرداں ہیں اور تخریبی عنصر منافع خوری کی بنا پر اپنے ملک کا اناج دُوسرے غیر ممالک میں پہنچا رہا ہے۔ اس قدر گندی

ضمیر کا مظاہرہ ہُوا ہے کہ میرے علاقہ میں ایک صاحب کے چند ٹرک اناج سے بھرے ہوئے ملک کی سرحد پر پکڑے گئے۔ میرے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ کروڑ پتی ہیں۔ جب میں نے اُن سے سوال کیا کہ یہ بتلائیں کہ آپ اناج بیچنے جا رہے ہو یا ضمیر؟ تو ہنس کر کہنے لگے صاحب معاف کیجئے۔ پندرہ ہزار روپے لے لو اور چھوڑ دو۔ مہربانی ہوگی۔ اس قدر افسوس ہُوا کہ شاید ان لوگوں کی اصطلاح میں ضمیر کوئی چیز ہی نہیں۔ اناج ضبط کر لیا۔ اور سیٹھ صاحب پر پندرہ ہزار روپے جرمانہ و ایک ماہ قید بامشقت عدم ادائیگی جرمانہ تین ماہ کی قید بامشقت کا فیصلہ سُنا دیا۔

اناج غریبوں میں تقسیم ہونا شروع ہوا۔ غریب نادار۔ مرد، عورتیں جوق در جوق آئے کہ ایک میلہ لگ گیا۔ لہٰذا مرد اور عورتوں کی علیحدہ علیحدہ لائن لگائی گئی اور ہر شخص کی ضرورت کے مطابق اناج تقسیم کیا گیا۔ مخلوقِ خدا فوج کے انتظام پر خوش اور دُعا گو تھی۔ کل ہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر واپس آیا تو معلوم ہُوا کہ میری ترقی کا آرڈر آیا ہُوا ہے ابا آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں! میں میجر ہو گیا ہُوں۔ والدہ کا خط

آیا تھا جس میں تحریر تھا کہ شفقت کی شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے
لہذا شادی سے کم از کم ایک ہفتہ پہلے چھٹی لے کر آؤ۔ اور آتے ہوئے
کوئی بیش قیمت چیز شفقت کے لیے خریدتے لانا۔ لہذا دماغ پر بہت
زور دیا کہ بیش قیمت چیز کیا خریدوں۔ سونے چاندی کے زیورات تو
کوئی قیمتی چیز نہیں ہیں۔ آخر سمجھ میں آگیا اور فوراً بازار گیا اور تمام شہر
میں گھوم کر ایک خوبصورت نسخہ قرآن پاک، ایک عدد رحل اور
ایک عدد ایرانی ڈیزائن پر بنا ہوا جائے نماز خرید لیا۔ انشاء اللہ جاتے
وقت لیتا جاؤں گا۔ اُمید ہے شفقت آپا ضرور پسند کریں گی۔

جیدہ۔ شفقت بیٹی کا یہی حقیقی جہیز ہے جس کو خریدنے کی میری تمنا
تھی۔ بہر حال اُس کے بڑے بھائی نے خرید لیا۔

دُعا ہے کہ اللہ جل شانہ، شفقت بیٹی کو اس جہیز کے استعمال
کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

اور زیادہ کیا تحریر کروں۔ بچوں کو پیار
بزرگوں اور حال پرساں کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔

تمہارا انوار

خط نمبر ۳۱

میرے دل کی محرم حمیدہ

السلام علیکم۔

تمہارا خط آیا حالات سے آگاہی ہوئی

حمیدہ! الحمدللہ کہ میری سروس کا زمانہ بخیر و عافیت۔ عزت و آبرو سے ختم ہوا۔ مجھے اللہ کے فضل و کرم سے اپنی سروس پر فخر ہے تیس سال سروس بخیر بخوبی گزاری۔ سپاہیانہ زندگی کے مدارج اپنی تعلیمی معیار کے لحاظ سے طے کئے۔ کہنے کو میں آج صوبیدار میجر ہو کر اپنی سروس کا دور ختم کر رہا ہوں لیکن مجھے فخر ہے کہ سپاہیانہ زندگی کی ابتدا سپاہی سے شروع اور سپاہیانہ تعلیم و تربیت سے لیس ہو کر ایک مکمل سپاہی بن کر فراغت پائی جسے آج تک اپنے نام کے

کے ساتھ سپاہی کا لفظ دیکھ کر خوشی ہوا ہوں۔ انشاء اللہ تا وفات ایک اچھا سپاہی ہی سننا پسند کروں گا۔ یہی وجہ ہے میں اپنی یونٹ سے بکمال عزت و احترام اپنے سنٹر کو الوداع کیا گیا۔ انشاء اللہ وہاں دس یا بیس روز رہنا ہوگا پھر سیدھا گھر آجاؤں گا۔ نہ کبھی خط و کتابت کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی اور نہ تمہیں میرے خطوط کا انتظار ہوگا۔ صاحب کا خط آیا تحریر تھا کہ ابا اللہ جل شانہ، نے بے حد کرم فرمایا کہ مجھے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ جس رجمنٹ میں ایک دن میں رکروٹ بھرتی ہو کر آیا تھا آج لفٹنٹ کرنل ہو کر رجمنٹ کی کمانڈ سنبھال رہا ہوں۔ ہمارے کمانڈنگ آفیسر صاحب بریگیڈیر ہو گئے ہیں اور اُن کی جگہ مجھے لفٹنٹ کرنل بنا دیا گیا ہے۔ ہماری یونٹ کی طرف سے کرنل صاحب کے اعزاز میں الوداعی پارٹی کا انتظام ہوا۔ یونٹ کے تمام آفیسران۔ جے۔ سی۔ او صاحبان و جوانان۔ حسب مراتب بیٹھے تھے۔ کافی عرصہ تک آپس میں باتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ کھانا پینا ختم ہوا اور پہلے ہمارے صوبیدار میجر صاحب نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کرنل صاحب کے حسنِ اخلاق اور دورانِ کمانڈ

کے بہت سے کارہائے نمایاں بیان کیے۔
مابعد کرنل صاحب اُٹھے اور فرمانے لگے۔"

افسران بے سی۔ او صاحبان و جوانان یونٹ اپنی الوداعی پارٹی کے موقعہ پر آپ کی کارکردگی کو بیاں کرنے کے لیے میری زبان قاصر ہے۔ بہرحال میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ایک عرصہ دراز تک میرے احکام کی تلخی برداشت کی ہے۔ رات کا وقت ہے سردی کا موسم ہے اور میں نے حکم دیا کہ ہاں آج اور ابھی فلاں جگہ اسکیم پہ پہنچنا ہے اور ہر شخص نے اپنی تمام آرام و آسائش کو ترک کر کے میرے حکم کی تعمیل کی۔ اسکیم کے دوران میں نے بارہا دیکھا کہ دن رات کی محنت شاقہ کے باوجود جب بھی کسی سے مڈبھیڑ ہوئی تو ہر فرد خندہ پیشانی سے میرے حکم کا منتظر نظر آیا۔ فی الحقیقت مجھے اس یونٹ کے در و دیوار کی جدائی کا افسوس ہے۔ جو کہ بحیثیت انسان میرا فطرتی حق ہے بلکہ اس کے ساتھ دلی سکون اور مسرت بھی ہے کہ اپنے بعد اس یونٹ کی کمانڈ ایک ایسے شخص کے سپرد کر رہا ہوں جس کو میں رکروٹ سے لے کر آج تک اچھی طرح سے جانتا ہوں جو بھرتی ہونے کے بعد میری ہی کمپنی میں آئے تھے کمپنی کمانڈر کی حیثیت سے میرا دل گواہی

دیتا تھا کہ بقول ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ یہ جوان اپنی سپاہیانہ صلاحیت سے ضرور ایک دِن کامیاب سپاہی ثابت ہو گا۔ الحمدللہ کہ میرا اس وقت کا خیال سچا ثابت ہوا۔ جو کچھ میں نے اس وقت سمجھا تھا کرنل صاحب کو سوا پایا۔ آپ سپاہیانہ صلاحیت میں یکتا ملک و قوم کے ہمدرد۔ حسنِ اخلاق سے ہر طرح مرجع ہیں مجھے اُمید ہے کہ یونٹ کا ہر فرد میرے بعد کسی چیز کی کمی محسوس نہ کرے گا۔

آہا! یہ کہتے ہوئے کرنل صاحب کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور بھرائی آواز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولے"۔ صابو! اُٹھو اور آج میری الوداعی پارٹی پر یونٹ سے خطاب کرو۔ تاکہ چلتے ہوئے میں تمہارے علم و عمل کے چند فقرے سُن کر اپنے دل کو سکون دُوں۔

آہا! میں نہایت ادب سے اُٹھا۔ گو اپنے نیک دل کمانڈنگ آفیسر کی الوداعی پارٹی کے موقعہ پر میرا دِل وفورِ غم سے لبریز تھا۔ اور آنکھیں دھڑکتے ہوئے دِل کے ایک اشارے کی منتظر تھیں کہ وہ آنسوؤں کا سیلاب بہا کر اپنے نیک دِل کمانڈنگ آفیسر کے احسانات کا شکریہ ادا کریں۔ لیکن بڑے ضبط کے ساتھ میں نے اپنی تقریر ان الفاظ سے شروع کی۔

مجاہدانِ قوم و ملت میری تقریر یا یونٹ کے نام خطاب

اپنے نیک دل کمانڈنگ آفیسر کی سپاہیانہ صلاحیت و ملک و قوم کے درد کا مرہونِ منت ہے۔ کیونکہ میں نے جو کچھ برائے نام صلاحیت حاصل کی وہ اپنے محسن کمانڈنگ آفیسر کے زیرِ تربیت ہی حاصل کی ہے۔ میری زبان قاصر ہے اور میری گویائی عاجز ہے کہ اپنے کمانڈنگ آفیسر کے اوصافِ حمیدہ کو بیان کر دوں۔ اس یونٹ کا ذرہ ذرہ موصوف کے اوصاف و کردار کا آئینہ دار ہے۔ جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے۔ اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ایک دن جب میں رکروٹ بھرتی ہو کر اس یونٹ میں آیا تھا اُن کی نظرِ التفات اسی طرح سے تھی جیسے آج ہے مجھے اپنا زمانۂ رکروٹی یاد ہے۔ سارا سارا دِن سپاہیانہ تربیت سے تھک کر چُور ہو جاتا تھا اور گاہے بگاہے اپنے نیک دل کمانڈر کی زبان سے چند الفاظ سُن کر تمام تھکاوٹ دُور ہو جاتی تھی اور اپنے آپ کو اتنا خوش پاتا تھا کہ جیسے مجھے ہفتِ اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ مجھے یہاں تک یاد ہے کہ ایک دن اٹھارہ میل کی روڈ مارچ کے بعد شام کو واپس آیا تو آپ کو یونٹ میں بادردی ٹہلتا ہوا پایا۔ بھوک پیاس سے بے حال تھا۔ پسینے سے شرابور اپنے کمپنی کمانڈر صاحب کو بادردی دیکھ کر گھبرا گیا۔ نہ معلوم کیا بات ہے؟ اس وقت بادردی ہو کر آنا کسی نہ کسی زحمت

کا پیش خیمہ ہے شاید ابھی کوئی اور حکم ملنے والا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوا تو کیا حال ہو گا۔ اور پھر ناراضگی کا بھی احساس ہوا۔ مبادا کسی سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو بھی آج بڑا ہو گا۔ نہ معلوم ایسی حالت میں کتنا عرصہ اور اٹینشن کھڑا ہونا پڑے گا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے اپنے کمپنی کمانڈر صاحب کو اپنے مقابل پایا۔ میں نے فوجی سلام سے اپنے کمپنی کمانڈر صاحب کا خیر مقدم کیا اور میرا کمانڈنگ موصوف مجھ سے ہم کلام ہوا۔

جوان شاباش! تم نے اپنی منزل طے کر لی بخیر و خوبی واپس آئے ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ جلدی گرد کپڑے اتار دو۔ ذرا سستاؤ اور پھر نہا دھو کر کھانا کھانے کو تیار ہو جاؤ۔ تمہارے کھانے کا ہر طرح سے انتظام ہے ہاں دیکھنا پسینہ آیا ہوا ہے۔ ذرا خشک ہو جائے تو پھر نہانا۔ مبادا کہ گرم سر ہو کر نزلہ یا بخار نہ ہو جائے۔

خدا گواہ ہے کہ مجھے اپنی ماں کے الفاظ یاد آ گئے۔ گرمی کے موسم میں سکول سے آتا تھا۔ کتابوں کا پلندہ بغل میں ہوتا۔ گھر آتا تو فوراً ماں بولتی کہ بیٹا کتابیں رکھو۔ کپڑے بدلو اور ذرا سستا لو پھر نہا دھو کر کھانا کھا۔ اللہ اکبر کتنا خوش قسمت ہوں زمانہ طفلی میں ماں کی شفقت نے تمام رنج و محن بھلا دیئے اب برسرِ روزگار ہوا تو آفیسرِ اعلیٰ ایسا ملا جس نے ماں کو بھلا دیا۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ اُس وقت میرے دل و دماغ پر ایسا

اثر ہؤا کہ اٹھارہ میل کی تھکاوٹ کو بھول گیا۔ یقین جانیئے اگر اٹھارہ میل اور چلنے کا حکم ہوتا تو بغیر کسی کوفت کے وہ منزل بھی طے کر لیتا۔ یہ میری زندگی کا ایک واقعہ ہے اور ایسے واقعات میری سپاہیانہ زندگی میں ہزاروں آئے کہ تمام دن کی کوفت کمانڈنگ موصوف کے چند الفاظ سن کر دُور ہو گئی۔ جوں جوں دن گزرتے گئے۔ حالات نے کروٹ بدلی موصوف کمانڈر نیک بنتی۔ محنت اخلاق کی بدولت آپ کو رجمنٹ کی کمانڈ ملی اور جہاں سروس کے مدارج طے ہوتے گئے۔ وہاں موصوف کی سپاہیانہ اوصاف میں بھی بلندی آگئی۔ ڈیوٹی کے وقت کرنل اور ڈیوٹی کے بعد ایک اعلیٰ دوست صلاح کار اور سپاہی کے لیے جاں نثاری کا جذبہ بڑھتا گیا۔ ہم نشینوں میں بات چیت کے دَوران یہ سُن کر کتنا خوش ہوتا کہ آج کرنل صاحب اپنی کار میں آرہے تھے راستے میں فلاں سپاہی ملا تو کار روک لی اور پوچھا خیریت ہے کہاں جا رہے ہو؟ ...... یُونٹ کو جانا ہے چلو میری کار میں بیٹھ جاؤ، میں تمہیں وہاں پر چھوڑ دوں گا۔ کبھی یہ کہ آج کرنل صاحب فلاں بیرک میں گئے۔ چھٹی کا وقت۔ سپاہی خوش گپیوں میں مشغول تھے کہ کرنل صاحب نے باری باری سب سے پوچھا کہ تمہارے گھر سے خط آیا ہے یا نہیں۔ خیریت ہے۔ گھر میں کوئی تکلیف تو نہیں۔ اگر کسی قسم کی بھی تکلیف

ہو تو بتاؤ۔ تاکہ اُس کا تدارک کیا جائے اور تو اور جوشِ محبت میں یہاں تک کہہ جاتے۔ خدا کی قسم اگر تمہیں کوئی تکلیف ہوئی تو میری روح کو آرام نہ ہوگا۔ تمہارا سُکھ میرا سُکھ اور تمہارا دُکھ میرا دُکھ۔ سمجھتے ہو کہ حُسنِ سلوک سے سپاہی کا خون کس قدر بڑھ جاتا تھا۔ کس قدر حوصلہ بلند ہو جاتا تھا۔ شاید یونٹ کے پُرانے سردار صاحبان اللہ داد رکروٹ کے واقعہ کو نہ بھولے ہوں گے۔ رکروٹ اللہ داد زمانہ رکروٹی میں چھٹی کے دن اوبسٹیکل کرتا ہوا گر پڑا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی فوراً ہسپتال پہنچایا گیا اور ساتھ ہی کمانڈنگ آفیسر موصوف ہسپتال میں گئے۔ گرمی کا موسم پسینے سے شرابور رکروٹ اللہ داد کی چارپائی کے سرہانے کھڑے ڈاکٹر سے کہہ رہے تھے"

ڈاکٹر میرے جوان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا کسی صورت سے ٹانگ ٹھیک ہونی چاہیئے۔ ٹانگ بُری طرح سے ٹوٹی تھی۔ جسم کا خون بے انتہا نکل چکا تھا۔ فوری تدابیر سے ٹانگ تو ٹھیک ہو گئی لیکن جوان فوج کے ناقابل ہو گیا۔ میڈیکل بورڈ ہوا اور میڈیکل بورڈ میں فوجی سروس کے ناقابل تصور کیا گیا اور بغیر کسی پنشن و معاوضہ کے گھر جانے کا آرڈر ملا۔ ہسپتال سے یونٹ میں آیا۔ فوراً کمانڈنگ موصوف نے اللہ داد کو اپنے دفتر میں بُلایا اور ان الفاظ سے ہم کلام ہوئے۔

اللہ داد ہم کو تمہاری ٹانگ ٹوٹ جانے کا بے حد افسوس ہے

اور اس سے زیادہ اس بات کا افسوس ہے کہ چھٹی کے دن کودائی کی مشق کرتے ہوئے گر سے جس کی وجہ سے تم پنشن کے حقدار نہیں ہو۔ بہر حال مجھے تمہاری زندگی کے دکھ کا احساس ہے۔ ہم نے تمہارے والد کو خط لکھا ہے۔ شاید وہ آج ہی آجائیں۔ ہم جو کچھ بھی کر سکتے ہیں تمہارے لیے کریں گے۔ تاکہ زندگی میں تمہیں یہ احساس نہ ہو کہ فوج میں بھرتی ہوا اور بدقسمتی سے بغیر حکم مشق کے دوران ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اگر سروس پوری کرتا تو کچھ پنشن ملتی اور گزر اوقات ہو جاتی۔ افسوس رکروٹی میں کوئی پرسان حال نہ ہوا۔

پھر دوسرے دن اللہ داد کے والد کو مع اللہ داد اپنے دفتر میں بلایا۔ باپ بیٹے کو نہایت عزت و احترام سے کرسی پر بٹھایا اور ہم کلام ہوئے: "چوہدری صاحب آپ کے لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ علاج کرایا گیا۔ افسوس کہ ٹانگ میں خم آگیا ہے اور فوجی سروس کے ناقابل ہو گیا ہے پھر اس کا بھی افسوس ہے کہ قانون کے مطابق اللہ داد میڈیکل بورڈ کی پنشن کا حقدار نہیں۔ لیکن ہمیں اس کی ساری زندگی کی کوفت کا احساس ہے۔ گو اللہ داد چھٹی کے دوران پی ٹی انسٹرکٹر کی غیر حاضری میں کودائی کی مشق کرتے ہوئے غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن ہم اس کے سپاہیانہ شوق کا

کا لحاظ رکھتے ہیں اور (C.O) سی او فنڈ سے مبلغ پانچ سو روپیہ دیتے ہیں۔ دو سو روپیہ ہم اپنی جیب خاص سے دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم نے آفیسران وجے سی۔ او صاحبان سے اللہ داد کی مدد کرنے کو کہا تھا لہٰذا سب نے خوشی سے حسب توفیق اپنی جیب سے روپیہ دیا جو کہ تین سو روپیہ ہے اس طرح سے کل رقم ایک ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ داد اپنے گاؤں میں معمولی سی کپڑے کی دُکان کھولے اور اپنی ایمانداری و محنت سے اس دکان کو ترقی دے۔ تاکہ اُس کی بقایا زندگی آرام سے گزرے۔ یہ یاد رہے اس دکان کا حساب کتاب ایک سال تک ہم خود دیکھیں گے۔ تاکہ ناتجربہ کاری سے رقم فضول خرچ نہ ہو جائے۔ اللہ داد کے والد اور اللہ داد نے ایک ہزار روپیہ لیا اور شکریہ ادا کیا گھر جا کر کپڑے کی دکان کھولی خوب محنت اور ایمانداری سے کام کیا کرنل صاحب نے سال بھر میں دو دفعہ خود جا کر دکان کا رکھ رکھا۔ حساب کتاب دیکھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اللہ داد سیٹھ اللہ داد کے نام سے پکارا جاتا ہے الحمدللہ جس ملک کی فوج میں آفیسر اعلیٰ اسقدر ہمدرد ہوں وہ ملک دنیا میں کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا۔

اُبّا۔ میری آواز بھرا گئی صرف اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ آج اس رجمنٹ کی کمانڈ سنبھالتے ہوئے کچھ بوجھ سا محسوس کرتا ہوں لیکن

دُعا کرتا ہوں کہ یا ربُّ العزّت میری مدد کرنا اور مجھے بھی کمانڈنگ آفیسر موصوف کی پیروی کرنے کی توفیق عطا کرنا۔

ابّا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کرنل صاحب نے مجھے کُرسی پر بٹھایا اور فوراً جہاں کرنل صاحب کے گلے میں پھُولوں کے ہار ڈالے گئے وہاں میرے گلے میں بھی اُسی قدر پھُولوں کے ہار پڑے تھے۔

حمیدہ! میں نے اپنی تیس سالہ سپاہیانہ زندگی میں سپاہیانہ زندگی کی ابتداء کی ہے۔ اب دُعا کرتا ہُوں کہ اللہ جلّ شانہٗ صابو کو سپاہیانہ زندگی کی انتہا کو پہنچائے۔ شاید اب میں سروس کے دَوران صابو کو کوئی اور خط تحریر نہ کر سکوں گا آج صابو کو بھی آخری خط تحریر کر رہا ہُوں کہ بیٹا! فوج تنظیم سے ہے اور تنظیم کے لیے مندرجہ ذیل صفات کی ضرورت ہے۔

اوّل ہر کام کو اپنی نظر سے دیکھو۔ دوئم۔ اپنے عہدیداروں پر بھروسہ رکھو۔ سوئم۔ ماتحتوں کا ہر حال میں درد محسوس کرو۔ چہارم۔ سپاہی کو سپاہی کی نظر سے دیکھو پنجم۔ اگر فلاح و بہبود کی راہ چاہتے ہو تو چغلخور سے پرہیز رکھنا خدا تمہارا مددگار ہے گا

حمیدہ! آج اپنی سپاہیانہ زندگی کی کتاب ختم کرتا ہوں اور بارگاہ ایزدی میں دُعا کرتا ہُوں ۔

کام جو کچھ بھی کریں وہ کام ہو اللہ کا

دل میں یادِ اللہ کی ہو لب پہ نام اللہ کا

اور زیادہ کیا تحریر کردوں بچوں کو پیار اور بزرگوں کی خدمت میں سلام عرض کردیں

تمہارا

انوار

# انتخاب دیوان حالی

از

ابوالاثر حفیظ جالندھری

حالی مرحوم کی مسدس نے حالی کی غزلوں اور دوسرے کلام کے حسن پر پردے ڈال رکھے ھیں ـــــ جناب حفیظ نے غزلیات کے اس انتخاب اور اس پر اپنے دیباچے سے اھل قلب و نظر کو حالی کی غزلیات کی طرف رھنمائی فرمائی ھے۔

حفیظ لکھتے ھیں ـــــــــــ

اگر اس انتخاب نے حالی کے کلام کے مطالعہ کا شوق آپ میں سے کسی کے دل میں بھر دیا تو سمجھ لیجئے کہ میں نے اس دور میں ایک بڑا کام کر دیا ھے۔

قیمت : -/۳